مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

اہلِ حدیث کا مذہب

شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
فاضلِ دیوبند

تعلیق وتحشیہ
مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی حفظہ اللہ

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

Www.IslamicBooks.Website

اہل حدیث کا مذہب

شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ (فاضل دیوبند)

تعلیق و تحشیہ

مولانا ضیاء الحسن محمد سلفی حفظہ اللہ

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

Www.IslamicBooks.Website

© جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: اہل حدیث کا مذہب

نام مصنف: علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ

مراجعہ وتعلیق: مولانا ضیاء الحسن سلفی

سن اشاعت: دسمبر ۲۰۰۹ء

تعداد: ایک ہزار ایک سو

طابع وناشر: مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن

کمپوزنگ: شاہد جمال، مئو

صفحات: 128

قیمت:

بالاہتمام

شفیق الرحمٰن، عزیز الرحمٰن

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

Maktaba Al- Faheem

1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road

Sadar Chowk Mau Nath Bhanjan(U.P)

Phone: 0547-2222013(S) Mob. No. 9236761926 / 9889123129

Www.IslamicBooks.Website

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	پیش لفظ از محقق کتاب	۵
۲	دیباچہ التماس مصنف	۱۱
۳	اہل حدیث کا مذہب	۱۳
۴	مسئلہ نمبر (۱) توحید	۱۳
۵	مسئلہ نمبر (۲) رسالت اور ولایت	۱۴
۶	مسئلہ نمبر (۳) توہین سلف	۱۵
۷	مسئلہ نمبر (۴) علم غیب	۱۷
۸	مسئلہ نمبر (۵) استمداد بالغیر	۲۵
۹	مسئلہ نمبر (۶) خلافت راشدہ	۳۱
۱۰	مسئلہ نمبر (۷) وراثت انبیاء علیہم السلام	۴۱
۱۱	مسئلہ نمبر (۸) اتباع سنت اور اجتناب از بدعت	۴۶
۱۲	مسئلہ نمبر (۹) عرس، مولود وغیرہ	۴۹
۱۳	مسئلہ نمبر (۱۰) نذر لغیر اللہ	۵۷
۱۴	مسئلہ نمبر (۱۱) تقلید شخصی	۶۴
۱۵	مسئلہ نمبر (۱۲) قراءۃ فاتحہ خلف الامام	۷۲

Www.IslamicBooks.Website

۱۶ مسئلہ نمبر(۱۳)رفع الیدین ۷۸

۱۷ مسئلہ نمبر(۱۴)آمین بالجہر ۸۵

۱۸ اظہار تشکر ۸۹

۱۹ مسئلہ نمبر(۱۵)سینے پر ہاتھ باندھنا ۹۰

۲۰ مسئلہ نمبر(۱۶)وجوب جمعہ اور ظہر احتیاطی ۹۲

۲۱ مسئلہ نمبر(۱۷)خطبہ میں وعظ ۹۹

۲۲ مسئلہ نمبر(۱۸)مسئلہ تراویح ۱۰۶

۲۳ مسئلہ نمبر(۱۹)ایک دفعہ کی تین طلاقیں ۱۱۲

۲۴ مسئلہ نمبر(۲۰)مفقود الخبر کی بیوی کا حکم ۱۱۷

۲۵ اہلحدیث کیوں اہلحدیث ہیں؟ ۱۲۲

۲۶ اہلحدیث کے مذہب کا بانی کون ہے؟ ۱۲۵

۲۷ خلاصہ مذہب اہلحدیث ۱۲۸

☆☆☆☆☆☆

Www.IslamicBooks.Website

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ. اما بعد!

قال اللہ عزوجل (وان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ. ذٰلکم وصّاکم بہ لعلکم تتقون).

(سورہ انعام آیت ۱۵۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس بات کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

اس آیت کریمہ کو امت مسلمہ کی وحدت واجتماعیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے کہ امت صراط مستقیم یعنی کتاب وسنت کی شاہراہ پر ہی گامزن رہے اور اس کو چھوڑ کر دیگر کج مج پگڈنڈیوں پر نہ چلے کیونکہ اس روشن جادۂ حق سے ہٹ کر ہی یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے حالانکہ اسے اس بات کا تاکیدی حکم ہے کہ دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ اصل راہ سے ہٹ جاؤ گے اور قعر مذلت میں جا گرو گے۔

دوسری آیت کریمہ میں ارشاد باری ہے:

(اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ أولیاء قلیلا ماتذکرون).

(سورہ اعراف آیت ۳)

یعنی تم لوگ اتباع کرو اس کا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اس آیت میں حکم دیا جارہا ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یعنی حدیث کی اتباع کرو کیونکہ قرآن ہی کی طرح حدیث کی اتباع کو بھی لازم قرار دیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ألا انی**

Www.IslamicBooks.Website

أوتیت الکتاب ومثلہ معہ (سنن ابوداؤد کتاب السنۃ ۴۵۹۱) ومسند أحمد بن حنبل (۱۳۱/۴) یعنی میں قرآن مجید اور اسی کے مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔ لہٰذا ان دونوں کا اتباع کرنا ضروری ہے ان کے علاوہ کسی کا اتباع واجب نہیں بلکہ ان کا انکار کرنا ضروری ہے۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ شریعت کے یہی دو ماٰخذ ومصدر ہیں جن سے احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان الشیطان قد یئس ان یعبد بأرضکم ولکن رضی ان یطاع فیما سوی ذلک مما تحاقرون من أعمالکم فاحذروا انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابدا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم" (مستدرک حاکم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین (جزیرۂ عرب) میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی لیکن وہ اس بات پر مطمئن ہے کہ اس کے علاوہ وہ اعمال جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اس کی پیروی کی جائے گی۔ لہٰذا خبردار رہو اور سنو کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جسے اگر تم لوگ مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کہیں بھی ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ یعنی احادیث نبویہ۔

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعد ھما کتاب اللہ وسنتی" (مستدرک حاکم) میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل پیرا رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت یعنی حدیث ہے۔

اور امام دار الہجرۃ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب موطأ میں بلاغاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ" (موطأ کتاب القدر ۳۲۱/۲) یعنی میں تمہارے درمیان دو چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم لوگ ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک تو کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور دوسری اس کے نبی علیہ السلام کی سنت مطہرہ یعنی حدیث۔ اور ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلھا کنھارھا لایزیغ عنھا الا ھالک" (کتاب السنۃ ابن ابی عاصم حدیث نمبر ۴۹) لوگو! میں تمہیں ایسے روشن دین پر چھوڑے جارہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اس سے وہی شخص گریز کرے گا جسے ہلاک ہونا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

آیات مذکورہ واحادیث نبویہ صحیحہ سے روز روشن کی طرح یہ بات متحقق ہوگئی کہ قرآن وحدیث نبوی احکام شرعیہ کے بنیادی مأخذ ومصدر ہیں اور تمام احکام خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی ان ہی میں محیط ہیں اور جماعت اہل حدیث کا یہی مسلک ومذہب ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے دار الحدیث الخیریہ کے مدرس شیخ محمد جمیل زینو حفظہ اللہ اہل حدیث کے مذہب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"فاهل الحديث حشرنا الله معهم لا يتعصبون لقول شخص معين مهما علا وسمىٰ حاشا محمد اصلى الله عليه وسلم بخلاف غيرهم ممن لا ينتمىٰ الىٰ أهل الحديث والعمل به فانهم يتعصبون لأقوال أئمتهم وقد نهوهم عن ذلك كما يتعصب أهل الحديث لأقوال نبيهم فلا عجب أن يكون أهل الحديث هم الطائفة المنصورة والفرقة الناجية"

(مجموع رسائل التوجیہات الاسلامیہ ۱/۱۶۴)۔

سو اہل حدیث۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن انہیں کے ساتھ اٹھائے۔ کسی خاص شخص کے قول کے لئے تعصب نہیں کرتے چاہے وہ کتنا بڑا اور بلند مرتبہ امام ہو سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے برخلاف وہ لوگ جو اپنے کو اہل حدیث کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں اپنے ائمہ کے اقوال کے لئے تعصب کرتے ہیں حالانکہ ائمہ کرام نے انہیں اس سے خود روکا ہے اور اہل حدیث صرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے لئے تعصب کرتے ہیں اس لئے کوئی عجب نہیں کہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ یہی اہل حدیث ہوں۔

دوسری جگہ علامہ شیخ موصوف مزید فرماتے ہیں:

"ونحن لم نؤمر الا باتباع القرآن المنزل من عندالله وقد شرعه لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بأحاديثه الصحيحه لقوله تعالى(اتبعوا ماأنزل اليكم من ربكم ولاتتبعوا من دونه اولياء)فلايجوز لمسلم سمع حديثا صحيحا أن يرده لأنه مخالف لمذهبه، فقد أجمع الأئمة على الأخذ بالحديث الصحيح وترك كل قول يخالفه"

(مجموع رسائل التوجیہات الاسلامیہ ۱/۱۳۵)

یعنی ہمیں تو صرف قرآن مجید کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث صحیحہ کے ذریعہ فرمادی ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے جو کچھ اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس سے چھوڑ کر اولیاء کی پیروی نہ کرو تو کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ صحیح حدیث کو سُنے پھر اُسے اس لئے رد کردے کہ وہ اُس کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ خود ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحیح

Www.IslamicBooks.Website

حدیث پر عمل کیا جائے اور اس کے مخالف ہر قول و مذہب کو چھوڑ دیا جائے۔

حرمین شریفین کے تمام ائمہ کرام اہل حدیث اور منہج سلف کے داعی ہیں جیسا کہ حرم مکی کے امام وخطیب علامہ شیخ سعود الشریم اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

"وأهل السنة والجماعة، الفرقة الناجية والطائفة المنصورة استقر كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم في سويداء قلوبهم فمراد الله ومراد رسوله صلى الله عليه وسلم عندهم قد خلدابهٰذين الوحيين فلا تعقيب لأحد بعدالله ورسوله:

(دیکھئے اہلحدیث اور علمائے حرمین کا اتفاق رائے: تالیف حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ مدنی ص ۵۲)

یعنی اہل سُنّت والجماعت (اہل حدیث) جو فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہیں ان کے دلوں کی گہرائیوں میں قرآن وسنت نبویہ قرار پا چکے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ فرمان الٰہی اور فرمان نبوی کو ان ہی دونوں وحیوں (قرآن وسنت) سے ہی حاصل کرتے ہیں لہٰذا کسی کے لئے اللہ کے فرمان اور حدیث نبوی کے بعد رائے زنی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث کے دلوں میں صرف قرآن وسنت قرار پاتے ہیں کوئی تیسری چیز جو قرآن وسنّت کے مخالف ہو اہلحدیث اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور قرآن مجید اور حدیث نبوی کے بعد کسی کی ذاتی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اور نہ ہی دین اسلام میں اس کی کوئی گنجائش چھوڑی گئی ہے کیونکہ دین تو صرف دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک اللہ کی عبادت اور دوسری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے کہ بلاشبہہ دین میں تمام احکام ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض بنیادی واصولی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض فروعی حیثیت کے حامل ہیں ،فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر الگ الگ جماعتیں یا فرقے بنانا سراسر جہالت ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام خواہ وہ اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے بے مقصد اور غیر ضروری نہیں ہیں ۔لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض سنتوں کو فروعی قرار دے کر ان کو نظر انداز کرنا یا ان کی اہمیت کم کرنا سنت نبویہ کی توہین ہے لہٰذا کسی مسلمان کیلئے جو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو یہ بات اس کے شایان شان نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی حکم کو فروعی کہہ کر نظر انداز کرنے کی روش اختیار کرے یا ضروری اور غیر ضروری کی تقسیم کر کے جس پر چاہے عمل کرے اور جسے چاہے چھوڑ دے کیونکہ شریعت میں تمام سنتوں پر بیک وقت عمل کرنا مقصود ومطلوب ہے اور جماعت اہل حدیث اس ناقابل انکار حقیقت سے بخوبی آشنا ہے اسی لئے وہ ہر شرعی حکم پر عمل پیرا ہوتی ہے جس کا ثبوت قرآن

Www.IslamicBooks.Website

وحدیث سے ہو خواہ اس کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے۔

زیر نظر کتاب ''اہل حدیث کا مذہب'' علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی ان وقیع تالیفات میں سے ایک ہے جس کو آپ نے مذہب اہل حدیث کی تائید وتقویت کے مقصد سے تحریر کی ہے۔اس گرانقدر تالیف میں فاتح قادیان رحمہ اللہ نے جماعت اہلحدیث کے مسلمہ ۲۰ رمسائل شرعیہ کو مدلل بیان کیا ہے اور ساتھ ہی جماعت اہلحدیث پر عائد کردہ جملہ الزامات واتہامات کا نہایت معقول انداز سے مسکت جواب بھی دیا ہے۔اسلوب نہایت فکر انگیز اور قرآن وسنت سے مستفاد ہے اور بعض اکابر علمائے حنفیہ کے فتاوی واقوال سے بھی استفادہ کیا گیا ہے تاکہ معاندین جماعت اہل حدیث کے ذہن وقلب کو اپیل کر سکے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مصنف بزرگوار کی حیات میں شائع ہوئی تھی لیکن یہ قدیم نسخہ تقریباً نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اس کے بعد عرصہ سے یہ نایاب رہی یہاں تک کہ اس کتاب کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا عبدالسلام رحمانی سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اپنے دور نظامت میں اس کو زیور طباعت سے مزین کر کے منصہ شہود پر لانے کی سعادت حاصل کی ۔اس کا پہلا ایڈیشن جنوری ۱۹۷۷ء میں اور دوسرا ایڈیشن مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد اسی کا فوٹو لے کر شائع کیا جاتا رہا اور تاہنوز یہ طرز عمل جاری ہے جب کہ یہ کتاب جس طرح احقاق حق اور منہج سلف کی ترویج کے پیش نظر تحریر کی گئی تھی یہ محض چند فروعی مسائل پر مشتمل نہیں بلکہ ۲۰ راہم شرعی اصول پر مبنی ہے جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے اور ان کو ہم جماعت اہلحدیث کے امتیازی مسائل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔اس وقیع کتاب کے شایان شان اس کی تصحیح ومراجعہ کی ضرورت تھی لیکن اس طرف توجہ نہ دی جا سکی۔

میں نے اس ضرورت کی تکمیل کے طور پر اس کتاب کا مراجعہ وتصحیح اور تعلیق وتخریج کا عمل انجام دیا ہے۔جس کے بعد یہ کتاب مزید قابل استفادہ اور سہل ہو جائے گی۔علامہ امرتسری رحمہ اللہ نے بیس (۲۰) مسلمہ مسائل کے بعد اخیر میں اہلحدیث کا وجہ تسمیہ اور اہلحدیث کے بانی اور خلاصہ مذہب اہلحدیث کو بیان کیا ہے۔اس کتاب میں پہلے ہی سے مولف کا حاشیہ اور تقریظ مولانا احمد موجود ہے۔میں نے بعض تعلیقات اور فوائد کا اضافہ حاشیہ میں کیا ہے۔آیت وسورہ قرآن کی تعیین، احادیث وآثار واقوال کی تخریج،عربی وفارسی نصوص واشعار کا ترجمہ کیا ہے اور خدا کے لفظ کے بدلے (اللہ) استعمال کیا ہے۔یہ میرے عمل کا ایک اجمالی خاکہ ہے،امید ہے کہ جدید ترتیب وتعلیق وتخریج اور مراجعہ وتصحیح کے ساتھ اس سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ مزید وسیع ہوگا۔مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب کے آغاز میں ملت وجماعت کے مخیّرین اور صاحب ثروت افراد کی خدمت میں ایک اپیل پیش کی تھی جس کے ذریعہ انہیں توجہ دلائی تھی کہ اگر انہیں آرزو ہے کہ مسلمانوں میں توحید

Www.IslamicBooks.Website

وسنت کا رواج عام ہو تو اس کتاب کو حسب حیثیت خرید کر مفت تقسیم کریں تا کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہونچے اسی طرح علمائے کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ وہ اہل دل اصحاب کو ترغیب دلا کر اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لے کر الدال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق بنیں ۔ میں بھی مؤلف موصوف کی ہم آہنگی کرتے ہوئے اعیان جماعت اہلحدیث سے اپیل کرتا ہوں کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہونچانے کی کوشش کریں خاص طور سے غیر اہلحدیث افراد تک پہونچانے کیلئے مجاہدانہ طور پر سعی بلیغ کریں تا کہ ان کو جماعت اہل حدیث کے مسلک ومذہب سے متعلق صحیح واقفیت حاصل ہو اور ان بے جا الزامات اور بے بنیاد اتہامات کا ازالہ بھی ہو سکے جو اس جماعت حقہ پر برابر عائد کئے جاتے رہے ہیں۔

عقیدہ ومسلک سے متعلق اس اہم کتاب کی جدید محقق اشاعت پر میں مکتبہ فہیم مئو کے غیور جماعت سلف کے مسلک ومشرب کے زبردست مناد اور داعی برادران جناب مولانا شفیق الرحمٰن وعزیز الرحمٰن فیضی صاحبان حفظھما اللہ کا صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے علامہ امرتسری رحمہ اللہ کی دو اہم تصنیف ''کلمہ طیبہ'' اور ''اہلحدیث کا مذہب'' کی نشر وتوزیع کی ذمہ داری کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمایا اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور دونوں جہان کی سرفرازی سے ہمکنار کرے اور ان کے مکتبہ کو جماعت حقہ کے مسلک کی اشاعت کا بہترین ذریعہ بنائے۔ تقبل یارب العالمین.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لئے رشد وہدایت کا ذریعہ بنائے اور سب کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے اور اس کے مولف، محقق ومصحح اور ناشرین کو سعادت دارین سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

اللھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه وصلی اللہ علی محمد وآله وأصحابه أجمعین. وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم.

بندۂ پُر تقصیر

ضیاء الحسن محمد سلفی

امیر جمعیت اہلحدیث مئو

استاذ جامعہ عالیہ عربیہ مئو

Www.IslamicBooks.Website

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

التماسِ مصنّف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہندوستان میں جب سے حکومت کے آزادی دینے سے تصنیف کا چرچا ہوا ہے مذہبی تصنیفات نے مختلف رنگ اختیار کئے ہیں بعض اہل علم نے تو اس نعمت کی قدر کی، اور اپنے خیالات کی اشاعت مناسب الفاظ وعبارات میں کر کے ملک کو فائدہ پہونچایا مگر اکثر ایسا ہوا کہ ایک فریق نے دوسرے فریق پر بے جا تہمتیں لگائیں، دل دُکھائے، سبّ وشتم سے کام لیا گویا اس خدا داد نعمت (آزادی) کو کفران نعمت سے مبدل کیا، جو کسی طرح (عقلاً یا نقلاً) ان کو جائز نہ تھا اسکے بعد ندوۃ العلماء [1] کا دور آیا تو ندوہ کی مصلحانہ تحریک نے بہت سے نیک دلوں کو اپنی طرف مائل کیا اور انھوں نے باہمی نزاع کو (جس نے حد سے متجاوز ہو کر مسلمانوں کو فرمان الٰہی (قل یا أهل الكتاب لاتغلوا فی دینکم) [2] کا مخاطب بنایا تھا) اپنی حد پر لانے کی کوشش کی یہاں تک کہ ندوہ نے سالانہ رپورٹ سال دوم کے صفحہ ۹ پر صاف لکھ دیا۔

''اہلحدیث اور حنفیہ کا اختلاف دراصل وہی اختلاف ہے جو ابتدا سے حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ میں چلا آتا ہے جسے ناحق تل سے پہاڑ بنایا گیا''

باوجود ان سب کوششوں اور تحریکوں کے بعض اطراف میں ہنوز روز اول ہے، مسلمانوں کا باہمی اختلاف اس قدر مضر نہیں جس قدر ایک دوسرے سے منافرت مضر ہے، منافرت کی وجہ بسا اوقات ایک فریق کی دوسرے کے مذہب سے ناواقفی اور ناواقفی میں افترا پردازی ہوتی ہے، فرقہ اہلحدیث کی نسبت کئی ایک من گھڑت افترا لگائے گئے ہیں اور لگائے جاتے ہیں، بڑا افترا جس نے اس فرقہ کو سب کی نظروں میں حقیر اور مطعون رکھا ہے (اور واقعی وہ افترا درصورت ثابت ہونے کے اسی ذلت اور حقارت کو مستلزم ہے)۔

(۱) یہ ہے کہ یہ لوگ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی توہین کرتے ہیں۔

(۲) بلکہ اس توہین کرنے کو اپنا دینی شعار جانتے ہیں۔

---

[1] علماء مشائخ اور دیگر مسلمان شرفاء کی ایک انجمن ہے جس کا دفتر لکھنؤ میں ہے۔ (منہ)

[2] اے نبی کہہ دیں کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو۔ سورہ مائدہ آیت ۷۷

Www.IslamicBooks.Website

(۳) بزرگوں سے منکر ہیں
(۴) اولیاء اللہ کی کرامات سے انکاری
(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر
(۶) درود نہیں پڑھتے
(۷) پھوپھی سے نکاح جائز بتلاتے ہیں
(۸) سور کی چربی کو حلال کہتے ہیں
(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑے بھائی جتنا ادب کرتے ہیں (یہ افترا توہین انبیاء والے افترا کے صریح متناقض ہے، فافہم) وغیرہ وغیرہ۔

ان افترایات کے دفع کرنے میں اہلحدیث نے مقدور بھر کوشش کی جو اللہ کے فضل سے پوری مؤثر ہوئی، چنانچہ اسی کوشش کا ہی نتیجہ ہے کہ جس کسی نے اہلحدیث کے مذہب سے پوری واقفیت حاصل کی بس یہی واقفیت اس کی ہدایت کا سبب ہوگئی۔

یہ رسالہ ان ہی کوششوں میں سے ایک ہے اس میں صرف اہلحدیث سے افترایات ہی کا دفعیہ نہیں ہوگا بلکہ بعض ایسے مسائل کا ذکر مع ثبوت بھی ملے گا جن کو واقعی اہلحدیث مانتے ہیں مگر ان شاء اللہ تعالیٰ نہ کسی فریق کی دل آزاری سے، نہ کسی مصنف پر حملہ آوری سے، بلکہ سلف صالحین کے طریق پر محض مطلب ادائی سے، غالباً یہ رسالہ پہلا نمبر ہے جو مذہبی مباحثہ میں حسب منشاء ندوۃ العلماء[۱] لکھا گیا ہے، کیا عجب کہ خاکسار مصنف بحکم حدیث شریف، "من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و أجر من عمل بها"[۲] عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہو۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.

خادم ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ، مصنف رسالہ ھذا
امرتسر۔ ہندوستان (صوبہ پنجاب)

---

[۱]..... ندوۃ العلماء کا مقصد یہ ہے کہ اختلاف بیہودہ پیرایہ میں نہ ظاہر کیا جائے، جواب اور تردید میں کتابیں لکھی جائیں تو اصل مسائل پر گفتگو کی جائے، تحریہ و تشنیع، سب وشتم، لعن طعن سے کام نہ لیا جائے۔ زبانی مناظرہ ہو تو سخت کلامی اور ہاتھا پائی تک نوبت نہ آئے اور مقدمہ بازی میں فریقین کے ہزاروں روپے برباد نہ ہوں جس میں "یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ" (یعنی ایک مال کی بربادی، دوسرے ہمسایہ کا اظہار مسرت) کے علاوہ ہماری ناشائستہ حرکات سے اسلام کے منور چہرے پر بدنما دھبہ نظر آئے۔ (مقدمہ دوم ندوۃ العلماء) ہماری عبارت میں منشاء ندوۃ العلماء سے مراد یہی مقصد ہے (منہ)

[۲]..... جو کوئی اسلام میں بحکم شریعت احسن طریق جاری کرے اس کا اپنا اور اس طریق پر چلنے والے لوگوں کے برابر ثواب ملے گا۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۰۱۷)

Www.IslamicBooks.Website

اہلحدیث کا مذہب

(۱) توحید

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا خالق ہے، سب مخلوق، کیا چھوٹی، کیا بڑی، کیا عزیز کیا ذلیل، اس کے سامنے سب سر تسلیم خم ہیں، کوئی بھی اس کے حکم کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتا سب دنیا کی اصلی حکومت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے چنانچہ ارشاد ہے (تبارک الّذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیئی قدیر) [۱] یعنی برکتوں والی وہ ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں تمام ملک کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت تام رکھتا ہے۔ نیز ارشاد ہے (قل من بیدہ ملکوت کل شئی وھو یجیر ولایجار علیہ ان کنتم تعلمون .سیقولون للہ) [۲] یعنی اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ان مشرکوں سے پوچھ کہ کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب چیزوں کی حکومت ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اُس سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ؟ یہ ابھی کہہ دیں گے کہ ایسی شان اللہ ہی کی ہے۔

قریب قریب تمام قرآن شریف اس مضمون سے پُر ہے بلکہ کلمہ شریف لاالٰہ الااللہ ہی میں یہ بیان بالاجمال پایا جاتا ہے کیوں کہ اس کے معنی ہیں اللہ کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں صرف اللہ ہی معبود برحق ہے، باقی تمام مخلوق اس کی عابد اور مملوک ہے، پس عابد کو معبود سے جو نسبت ہوتی ہے وہی تمام مخلوق کو (نبی ہو یا ولی،

---

[۱] .....سورہ ملک آیت نمبر ۱ [۲] .....سورہ مؤمنون آیت نمبر ۸۸، ۸۹

Www.IslamicBooks.Website

رسول ہو یا امتی، مومن ہو کافر) خالق سے ہے۔ پھر جس نے اس نسبت کو پورا نباہا وہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہوا جیسے انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جس نے اس نسبت کے حقوق ادا نہ کئے وہ ذلیل وخوار مستوجب سزا ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم. ثم رددناہ أسفل سافلین. الاالذین آمنوا وعملوا الصالحات) [۱] ہم نے انسان کو سب سے اچھی قابلیت اور لیاقت کی حالت میں پیدا کیا ہے پھر (اس کی بدکرداریوں کی وجہ سے) اس کو ذلیل ترین کر دیا لیکن جو لوگ ایماندار عمل درست ونیک کرتے ہیں (ان کی یہ حالت نہیں، وہ اللہ کے نزدیک معزز ہیں)

مختصر یہ کہ اہلحدیث کا ایمان اور عقیدہ یہ ہے ؎

وہ مالک ہے سب آگے اُس کے لاچار نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار

اوست سلطاں ہر چہ خواہد می کند عالمے رادر دمے ویراں کند [۲]

☆☆☆☆☆

(۲) رسالت اور ولایت

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ تمام مخلوق میں سید البشر انبیاء علیہم السلام ہیں اور انبیاء میں سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو قیامت کے دن شفاعت کبریٰ وصغریٰ کریں گے، کیونکہ اللہ فرماتا ہے (ان أکرمکم عند اللہ أتقاکم) [۳] یعنی جو لوگ زیادہ متقی اور پرہیزگار ہیں وہی اللہ کے

---

[۱]..... سورہ التین آیت نمبر ۴-۶

[۲]..... وہ بادشاہ ہے جو چاہے کرتا ہے اور ایک دنیا کو لمحہ بھر میں ویران کر دیتا ہے۔

[۳]..... سورہ حجرات آیت ۱۳

Www.IslamicBooks.Website

نزدیک زیادہ معزز ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے برابر کوئی شخص تقویٰ اختیار نہیں کرسکتا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "أنا سید ولد آدم" (یوم القیامة) ولا فخر" [۱] میں قیامت کے دن سب اولاد آدم کا سردار ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا (بلکہ بطور تعلیم بتلاتا ہوں)۔

اسی آیت کے مطابق اولیاء اللہ عام امت سے افضل ہیں کیونکہ آیت موصوفہ نے ایک عام قاعدہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب واکرام کا مدار تقویٰ [۲] اور پرہیزگاری ہے پس جو کوئی جس قدر تقویٰ شعار ہوگا اسی قدر اللہ کے نزدیک مکرم ومحترم ہوگا۔

☆☆☆☆☆

(۳) توہین سلف

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اولیاء کی (جن کا تقویٰ وطہارت معلوم اور ثابت ہو) توہین کرنے والا یا ان کی نسبت بدظنی یا تحقیر کرنے والا فاسق ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے (انظر کیف ضربوا لک الأمثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا) [۳] یعنی دیکھو کہ جن لوگوں نے تیرے حق میں بُری بُری

---

[۱]..... اس حدیث کو ترمذی نے کتاب التفسیر (۳۳۵۷) میں اور کتاب المناقب (۳۶۱۵) میں، ابن ماجہ نے کتاب الزہد (۴۳۰۸) میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند (۲/۳) میں، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (صحیح)۔

[۲]..... تقویٰ کا معنی ہے برائی سے بچنا اور اللہ کے حکم پر عمل کرنا (تقریظ احمد)۔

[۳]..... سورہ اسراء آیت ۴۸۔

Www.IslamicBooks.Website

تمثیلیں دی ہیں وہ ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ ان کی ہدایت کی کوئی صورت ہی نہیں۔

حدیث قدسی [۱] میں ہے "من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب" اللہ نے فرمایا ہے جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میرا اس سے اعلان جنگ ہے پھر اس کی خیر کہاں؟

بلکہ عام مسلمانوں کی توہین اور تذلیل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے خاص کر جو لوگ ہم سے پہلے ایمان دار گزرے ہوں ان کی نسبت تو نیک دعا کا حکم ہے۔ قرآن شریف میں تعلیم ہے (ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا) [۲] اے اللہ ہم کو بخش اور ہمارے بھائیوں کو جو ایمانداری کے ساتھ ہم سے پہلے گزرے ہیں ان کو بھی بخش اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کا کینہ نہ کر۔ آمین

مختصر یہ کہ اہلحدیث کا مذہب توہین سلف کے حق میں وہی ہے جو مصنف ہدایہ نے لکھا "لاتقبل شهادة من يظهر سب السلف لظهور فسقه" [۳] (کتاب الشہادۃ)

یعنی جو سلف صالحین کو برملا بُرا کہے (اس کے فسق کے نمایاں ہونے کی وجہ سے) اس کی شہادت معتبر نہیں۔

☆☆☆☆☆

۱..... اس کو امام بخاری نے کتاب الرقاق حدیث نمبر (۶۵۰۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۲..... سورہ حشر آیت ۱۰

۳..... دیکھئے ہدایہ (۱۶۳/۳)۔

Www.IslamicBooks.Website

(۴) علمِ غیب

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ سوائے اللہ کے علم غیب کسی مخلوق کو نہیں۔ نہ ذاتی[1] نہ وہبی، نہ کسبی کیونکہ اللہ فرماتا ہے (قل لا یعلم من فی السّمٰوات والأرض

---

[1]..... اس دعوی اور دلیل کی نسبت امرتسر کے علماء حنفیہ نے مجالس وعظ میں بڑی سختی سے اعتراضات کرنے شروع کئے کبھی دعویٰ اور دلیل میں عدم مطابقت پر سوال، کبھی مستثنیٰ پر کلام، کبھی کفر کا لزوم، غرض کبھی کچھ کبھی کچھ آخر بات بڑھتے بڑھتے مباحثہ کی ٹھہری اور مولانا ابوعبید میر احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولانا ابومحمد عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی دہلوی منصف قرار پائے اور ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ کو بموجودگی منصفان مباحثہ ہوا، فریقین کی تقریریں سن کر ہر دو منصفان نے بیک زبان فیصلہ کیا کہ عبارت مذکورہ صحیح ہے، پھر فریق ثانی نے خفیہ طور پر ایک استفتاء علماء دیوبند کی خدمت میں بھیجا جس کی نقل میرے ایک دوست (رحمہ اللہ) مدرس دیوبند نے مع دستخط مدرسین میرے پاس بھی بھیجی جو بطور اشتہار شائع کی گئی وہ یہ ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے حق میں جس نے مندرجہ ذیل دو عبارتیں ایک رسالہ میں شائع کی ہوں، اولاً یہ کہ سوائے خدا کے کسی مخلوق کو علم غیب نہیں نہ ذاتی، نہ وہبی، نہ کسبی کیونکہ خدا فرماتا ہے (قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والأرض الغیب الا اللہ) دعوی، دلیل میں تطابق اور آیت کریمہ سند منع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو مطلقاً علم غیب نہ تھا، نہ ذاتی، نہ وہبی، نہ کسبی، پس وہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر بأخبار ماضیہ وحالیہ واستقبالیہ کے منکر ہونے سے کافر ہوا یا نہیں؟ ثانیاً ''عابد کو معبود سے جو نسبت ہوتی ہے وہی عام مخلوق کو (نبی ہو ولی، رسول ہو یا امتی، مومن ہو کافر) خالق سے ہے'' اب اس عبارت میں لفظ عابد غور طلب ہے، لفظ عابد سے من حیث انہ مطیع وعابد مراد لیا جائے گا یا مخلوق من حیث ھو ھو؟ پس بر تقدیر اول بہ لحاظ عبادت واطاعت ومساوات ومماثلت انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کی کفار ناہنجار سے ثابت کرنے والا کافر ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب:..... اصطلاحاً عالم الغیب سے مراد جمیع مغیبات کا کلیتاً وجزئیتاً، اولاً وابداً عالم ہو، سو یہ شانِ

Www.IslamicBooks.Website

باری تعالیٰ ہے اور کوئی مخلوق میں سے شریک اس کا اس وصف میں نہیں، سو اگر مراد قائل کی یہ ہے کہ ایسا علم کسی کو نہیں نہ ذاتی، نہ وہبی، نہ کسبی، پس دلیل کے مطابق دعوی ہے کما ھو ظاھر من الاطلاق ولایشک فیہ غیر أھل الشقاق) (جیسا کہ اطلاق سے ظاہر ہے اور اس میں مخالف کے علاوہ کسی کو شک نہیں اور جو عرض یہ ہے کہ بعض مغیبات کا علم کسی کو کسی طرح نہیں تو غلط ہے کیونکہ بہت مغیبات کا علم انبیاء کرام کو خصوصاً افضل الرسل خاتم الانبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ عطا ہوا ہے اور ان حضرات کی وساطت سے ان کی امتوں کو بھی بہت سی مغیبات کا علم حاصل ہوا ہے، خود قرآن شریف میں ہے (عالم الغیب فلایظھر علیٰ غیبہ أحداً الّا من ارتضیٰ من رسولہ) سورہ جن آیت ۲۶، ۲۷ (یعنی وہ غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرتا ہے)

پس انکار اس کا خلاف منصوص ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ قائل مذکور کی غرض قسم ثانی کا انکار نہیں بلکہ علم غیب علی الاطلاق کی نسبت یہ قول ہے سو معلوم ہوا کہ یہ صحیح ہے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت حسب نصوص قطعیہ یہی ہے کہ عالم الغیب علی الاطلاق بجز ذات باری تعالیٰ کوئی نہیں اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں سخت ضلالت میں ہیں اور مفتری کذّاب ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی فرمایا کما رواہ البخاری (جیسا کہ اسے بخاری نے صحیح حدیث نمبر ۴۸۵۵ میں روایت کیا ہے) درحقیقت یہ شرک ہے، صفات خاصہ باری تعالیٰ میں۔

امر ثانی کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ درحقیقت جملہ مخلوقات بندہ وعاجز ومخلوق ہونے میں برابر ہیں کسی کو خالق جل وعلا کے ساتھ شرکت نہیں ہے پس اس نسبت میں عابد وغیر عابد وانبیاء عظام اور اولیاء کرام جملہ مخلوق برابر ہیں۔ یہی مطلب قائل کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ کوئی مسلمان اس امر کا منکر نہیں کہ جو قرب حق تعالیٰ کے خاص بندگان مقربین کو ہے وہ دوسروں کو نہیں، اس نسبت قرب میں جملہ مؤمنین بھی برابر نہیں، اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام یکساں نہیں (تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات). سورہ بقرہ آیت ۲۵۳ (یعنی یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض سے اللہ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کئے ہیں)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر جملہ سے مراد ہیں سو ان کے رفع درجات کی کوئی کیا تفصیل وتشریح کرسکتا ہے۔ سچ ہے ۔

Www.IslamicBooks.Website

الغیب الا اللہ) ۱ یعنی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ دے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا نیز ارشاد ہے (لو کنت أعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامسنی السوء) ۲ یعنی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ دے کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سی بھلائی اپنے لئے جمع کر لیتا اور مجھے کسی طرح کی کبھی بھی تکلیف نہیں پہونچتی۔

اس نص قطعی کے علاوہ سینکڑوں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہیں جن سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حضور فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا چنانچہ

لایمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کی کما حقہ تعریف کرنا ممکن نہیں ہے، مختصر یہ کہ اللہ کے بعد سب سے بزرگ آپ کی ذات ہے

صاحب بردہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

فانسب الی ذاتہ ماشئت من شرف وانسب الی قدرہ ماشئت من أعظم

ان کی ذات کی طرف جو شرف چاہے منسوب کر اور ان کی قدر و منزلت کی طرف جتنی برتری چاہے منسوب کر

فان فضل رسول اللہ لیس لہ حد فیعرب عنہ ناطق بفم

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں کہ اس کو کوئی اپنی زبان سے بیان کر سکے

فمبلغ العلم انہ بشر وانہ خیر خلق اللہ کلھم

علم کی انتہا یہ ہے کہ وہ بشر ہیں اور اللہ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

الحاصل باوجود کمالات کے بشر، بشر اور مخلوق ہے کوئی جزء معبودیت وخالقیت کا اس میں نہیں آتا پس یہی مطلب اس قائل کا معلوم ہوتا ہے ورنہ قرب خاص وعلو درجات ورفع مقامات بندگان خاص کا کوئی منکر ہو سکتا ہے؟ مسلمانوں پر حسن ظن لائق ہے اور ان کے کلام کو محمل حسن پر حتی الوسع واقع کرنا چاہئے بے وجہ تفسیق وتضلیل مناسب نہیں بلکہ حرام وممنوع ہے۔ فقط واللہ أعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی (مفتی مدرسہ) الجواب صحیح محمد حسن عفی عنہ، الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ، الجواب صحیح أحقر الزمان گل محمد خان (مدرسان مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند) الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ (مولانا محمود الحسن دیوبندی مرحوم) الجواب صحیح بندہ مسکین محمد یٰسین عفی عنہ مدرس۔

۱.....سورہ نمل آیت ۶۵ ۲.....سورہ اعراف آیت ۱۸۸

Www.IslamicBooks.Website

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ کہ حرم محترم پر بہتان لگنے سے کئی دنوں تک مغموم ومحزون رہے مگر اصل حال معلوم نہ ہوسکا جب تک اللہ نے اطلاع نہ دی ایسے ہی دیگر انبیاء علیہم السلام کے حالات شاہد عدل ہیں کہ کسی کو علم غیب نہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا مہمانوں کی شکل میں آنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان سے ڈر جانا، جو قرآن کی صریح آیات میں مذکور ہے، حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ملائکہ کا لڑکوں کی شکل میں آنا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم سے ان کو چھپانا وغیرہ صریح قرآن میں مذکور ہے جو عدم علم پر دلالت کرتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بوجہ بے خبری اور عدم واقفیت اصل حال کے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قصوروار سمجھ کر بے حرمت کرنا اور ان کا نہایت ہی عاجزانہ لہجے میں اصل حال بتلانا وغیرہ وغیرہ سب کے سب واقعات بتلا رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ تھا، یہ تو قرآن وحدیث کے صریح دلائل ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے بھی انہی واقعات پر بنا کر کے انبیاء علیہم السلام کی نسبت علم غیب کے عقیدے کو کفر لکھا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

واعلم أن الانبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء الا ماعلمهم الله تعالىٰ أحيانا وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبى عليه السلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ (قل لا يعلم من فى السمٰوات والأرض الغيب الا الله) [1] (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۵)

اور جان لو کہ انبیاء علیہم السلام غیب نہیں جانتے تھے لیکن اتنا ہی جتنا کبھی کبھی اللہ ان کو بتلاتا اور علماء حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین والوں میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

[1] .....سورہ نمل آیت ۶۵

Www.IslamicBooks.Website

ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں (جو فقہ کی ایک مشہور اور معتبر کتاب ہے) صاف مرقوم ہے کہ " رجل تزوج بغیر شهود فقال الرجل والمرأة خدا ورسول را گواہ کردیم قالو ایکون کفرا لأنه اعتقد أن رسول الله صلى الله علیه وسلم یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت" (فتاوی قاضی خان جلد۴ باب مایکون کفرا من المسلم ومالایکون)۔

جو شخص بغیر گواہ کے شادی کرے اور مرد و عورت اپنے نکاح میں اللہ و رسول کو گواہ کرے فقہاء نے کہا کہ وہ کافر ہے کیونکہ اس کے گواہ کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد انتقال کیونکر جانتے ہیں۔

ایسا ہی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ مالابدّ میں فرماتے ہیں "اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود"[1] اسی مقام کے حاشیئے پر اس کفر کی دلیل لکھی ہے "چرا کہ آنکس اعتقاد کرد کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غیب می داند و پیغمبر خدا در حالت حیات غیب را نمی دانست پس چگونہ بعد موت غیب داند"[2] (کذا فی فتاوی قاضی خان)

جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ ہوا تو ائمہ اہل بیت اور دیگر صلحاء امت کو کیسے ہوسکتا ہے؟ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت فرمایا ہے (علمک مالم تکن تعلم)[1] اللہ نے تجھ کو وہ

---

[1]..... اگر کوئی شخص بغیر کسی گواہ کے نکاح کرے اور کہے کہ اللہ و رسول کو میں نے گواہ بنایا یا فرشتہ کو گواہ کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ [2]..... اس لئے کہ اس شخص نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زندگی کی حالت میں علم غیب نہیں رکھتے تھے تو موت کے بعد کیسے غیب جانتے ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

باتیں سکھائیں جو تو نہ جانتا تھا اور ما کا لفظ عام ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کل چیزوں کا علم سکھایا گیا پس علم غیب اسی کا نام ہے۔

ہم کہتے ہیں یہی لفظ ما مسلمانوں کے حق میں بھی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے (علمکم مالم تکونوا تعلمون) [۲] یعنی جو تم نہ جانتے تھے وہ تم کو سکھایا، تو کیا ہم سب مسلمان جن کو اس آیت میں خطاب ہے سب کو علم غیب حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے علاوہ عام انسانوں کی بابت بھی یہی فرمایا ہے (علم الانسان مالم یعلم) [۳] یعنی انسان جو نہ جانتا تھا اللہ نے اس کو سکھا دیا۔

کیا تمام کے تمام انسان عالم الغیب ہیں؟ (ہرگز نہیں)، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس لفظ کا ورود ہوا ہے یعنی دینی باتیں جو تو نہ جانتا تھا وہ ہم نے تجھ کو سکھائیں اور تم مسلمان بھی جو دینی امور سے ناواقف تھے وہ تم کو بتلائے، چنانچہ ایک آیت میں ان معنی کی تشریح بھی فرمادی ہے جہاں ارشاد ہے (ماکنت تدری ماالکتاب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا) [۴] یعنی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے تیرے دل میں نور پیدا کیا اس نور کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ قرآن شریف اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے یہ بالکل ٹھیک ہے اس کو تو علم غیب نہیں کہتے، نہ اس کا کوئی منکر ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أوتیت علم الاولین والآخرین" یعنی مجھ کو پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا کیا گیا ہے، اس سے

۱..... سورہ نساء آیت ۱۱۳ ۲..... سورہ بقرہ آیت ۲۳۹

۳..... سورہ علق آیت ۵ ۴..... سورہ شوریٰ آیت ۵۲

Www.IslamicBooks.Website

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی بھی یہ ہیں کہ جو کچھ معرفت الٰہی کا علم پہلے نیک لوگوں کو حاصل تھا یا مجھ سے پہلے لوگوں کو حاصل تھا یا مجھ سے پچھلے لوگوں کو حاصل ہوگا وہ سب علم مجھے حاصل ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل اولاد آدم کے سردار ہیں اور سب سے زیادہ متقی، پس آپ کی معرفت اور علم سب سے زائد ہونے میں کس کو کلام ہے؟

اور واضح طور سے سنئے حدیث مذکور میں علم کا لفظ مصدر مضاف ہے اولین کی طرف جو فاعل ہے پس معنی یہ ہوں گے کہ جتنا علم پہلے اور پچھلے لوگوں کو تھا اور ہوگا وہ سب مجھے حاصل ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ بحکم (**قل لایعلم من فی السمٰوات والأرض الغیب الااللہ**) [۱] پہلے، پچھلے کسی کو علم غیب نہیں ملا، پس علم الاولین والآخرین سے مراد یہی ہے کہ جتنا علم شریعت پہلے پچھلوں کا ہے وہ سب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔

اگر اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کا ثبوت ہو تو قرآن کی آیات مذکورہ اور اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین و اولیاء کاملین کے صریح خلاف ہوگا، علاوہ اس کے قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے (**وما أدری مایفعل بی ولابکم**) [۲] اے ہمارے رسول تو ان سے کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم آئندہ کو مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمہیں کیا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علم الاولین والآخرین سے مراد وہ واقعات اور حادثات ہوں جو قرآن و حدیث میں پہلے اور پچھلے لوگوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان

---

[۱]......سورہ جن آیت ۲۶، ۲۷۔ اے ہمارے نبی تو کہہ کوئی بھی آسمان اور زمین والوں میں علم غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ (منہ)

[۲]......سورہ احقاف آیت ۹

Www.IslamicBooks.Website

فرمائے ہیں جن کو غیب دانی سے کچھ بھی تعلق نہیں، کیونکہ جتنا کچھ اللہ نے بتلایا اس کا تو کسی کو بھی انکار نہیں، انکار تو اس کا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی یا ولی کو سب اشیاء کا علم تھا جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے، اگر صرف اُسی قدر تھا جو اللہ کی طرف سے بتلائی گئی تھیں جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں آتا ہے جیسے گذشتہ اور آئندہ واقعات تو اس کا کوئی منکر نہیں، اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن سے اس امر کے ثابت کرنے کی ناکام سعی کی جاتی ہے کہ حضور اقدس فداہ اُبی وامّی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا مگر تعجب ہے کہ ایسے بدیہی امر کے برخلاف کوشش کی جائے جس کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث بلکہ فقہاء کی متفقہ تصریحات بھی موجود ہوں۔ "الی اللہ المشتکی" [1]

---

[1]..... علم غیب کی بحث میں لفظ علم پر بھی غور کرنے سے یہ معاملہ طے ہوسکتا ہے کیونکہ معقولی لوگ علم کی تعریف الحاضر عند المدرک سے کرتے ہیں یعنی علم وہی ہے جو ذہن میں موجود رہے، علم معانی والے کہتے ہیں علم أی ملکة یقتدر بھا علیٰ ادراکات جزئیة (مختصر معانی مجیدی ص ۱۸) (علم یعنی ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعہ جزئی ادراکات کا حصول ہوسکے) حاشیہ ص ۸ میں ہے "ملکة أی کیفیة النفس یتمکن بھا من معرفة جمیع المسائل لیستحضر بھاما کان معلوما مخزونا ویستحصل ما کان مجھولا منھا" خلاصہ مطلب یہ ہے کہ علم طبیعت کی اس قوت کا نام ہے جس سے تمام مسائل حاصل ہوسکیں، ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کے متعلق یہ صفت حاصل نہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب وہبی تھا ذاتی نہ تھا، یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ فتح مکہ کے بعد سورہ توبہ نازل ہوئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن أھل المدینة مردوا علی النفاق .لاتعلمھم) الآیة. (سورہ توبہ آیت ۱۰۱) یعنی آپ کے اردگرد کچھ اعرابی منافق ہیں اہل مدینہ میں بھی لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ۱۰ھ کے ماہ ذوالحجہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ شریف میں فرماتے ہیں

Www.IslamicBooks.Website

(۵) استمداد بالغیر

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی دافعِ بلا اور جالبِ نفع نہیں ہے یعنی کسی حالت اور صورت میں بھی کسی مخلوق کو یہ قوت نہیں کہ ہمارے اَڑے کام سنوار دے، یا بگڑے کو بنادے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے (قل انی لاأملک لکم ضرا ولا رشدا) (سورہ صٓ آیت ۲۱) اے ہمارے رسول تو کہہ دے کہ میں تمہارے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔

بلکہ ایک اور مقام پر فرمایا (قل لاأملک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ) (سورہ اعراف آیت ۱۸۸) یعنی تو کہہ دے کہ مجھے اپنی ذات کے لئے بھی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا ہو

برابر جس طرح دوسروں کو مضرت اور تکلیف پہونچتی آپ کو بھی پہونچتی تھی۔ خیبر کے زہر کا قصہ مشہور ہے کہ ایک ہی لقمہ کھانے سے اخیر تک اس کی تکلیف رہی، آخر انتقال فرمانے کے وقت بھی اس نے اپنا اثر دکھایا جس سے طبیعت میں اک گونہ حرارت بڑھ گئی۔

آیت قرآنی (قل انما أنا بشر مثلکم) (سورہ کہف آیت ۱۱۰) کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح آدمی ہوں اسی معنی پر شاھد عدل ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ تمام مخلوق میں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افضل، اکمل بلکہ سید الأکملین ہیں پس افضل واکمل کے حق میں جب اللہ تعالیٰ نے قطعی فیصلہ کردیا کہ ان کو بھی ہمارے نفع ونقصان کا اختیار نہیں دیا گیا، باقی

"لو استقبلت من امری ما استدبرت ماسقت الھدی" (اگر میں پہلے سے وہ بات جانتا جو بعد میں جانی ہے تو قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) حجۃ الوداع سے تین مہینے بعد رحلت فرمائی، پھر معلوم نہیں کہ علم غیب کس زمانہ میں اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ (تقریظ احمد)

Www.IslamicBooks.Website

سب مخلوق تو اُن سے پیچھے بلکہ اُن ہی سے فیض یاب ہے، کیا ہی سچ ہے ۔

گو غوث وقطب ومقتدیٰ ہے وہ بھی اسی در کا اک گدا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں جو وصف کمال نہ ہو وہ کسی دوسرے میں اعتقاد یا تلاش کرنا صریح بے ادبی اور سراسر گمراہی ہے، پس اسی ایک ہی آیت سے مضمون صاف ہے کہ کسی مخلوق کو طاقت اور یہ قدرت نہیں (نہ ذاتی، نہ وہبی) کہ وہ ہماری کسی طرح مشکل کشائی کر سکے یا ہم اس سے استمداد واستعانت کریں جیسا کہ لاأملک لکم والی آیت سے ایک عام قاعدہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح دوسری آیت میں بھی بطور ایک قاعدہ کلیہ کے فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے (ولاتدع من دون اللہ مالاینفعک ولایضرک فان فعلت فانک اذامن الظالمین). (سورہ یونس آیت ۱۰۶) یعنی تم کسی ایسی چیز کو مت پکارا کرو اللہ کو چھوڑ کر جو نہ تم کو نفع دے سکے اور نہ نقصان پر قادر ہو اگر ایسا کرو گے تو تم بھی ظالم ہو جاؤ گے۔

پہلی آیت نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی بھی نہیں جو ہم کو نفع یا نقصان دے سکے کیونکہ جب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر قدرت نہیں جیسا کہ آیات مرقومہ کا صریح مطلب ہے تو پھر اور کسی کو کیا یارا۔

دوسری آیت نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ جو چیز ہم کو نفع یا نقصان دینے پر قادر نہ ہو، اس سے دعا نہ کریں، نہ کسی اڑے کام میں اس کو پکاریں، نہ استمداد کریں، پس داناؤں کے لئے مضمون بالکل صاف ہے۔

قرآن شریف کا تو کوئی پارہ بلکہ رکوع تک اس تعلیم سے خالی نہیں، بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی غرض یہی ہے کہ مخلوق کے پکارنے سے روکا جائے، یہی معنی ہیں ایاک نعبدو ایاک نستعین [1] کے یعنی اے ہمارے مولا! ہم تیری ہی

---

[1]..... سورہ فاتحہ آیت ۴

Www.IslamicBooks.Website

عبادت کرتے ہیں اور ہر ایک کام کی انجام دہی میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

عرب کے لوگوں میں کئی ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو پکارتے تھے، کئی ایک حضرت عزیر علیہ السلام کو، کئی ایک دیگر بزرگان سے دعائیں مانگتے تھے ان سب کی تردید اور توحید کی تائید کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ کا بیان کر کے فرمایا ہے (**ذلکم اللہ ربکم لہ الملک والذین تدعون من دونہ مایملکون من قطمیر. ان تدعوھم لایسمعوا دعاء کم ولو سمعوا مااستجابو الکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم ولاینبئک مثل خبیر**) (سورہ فاطر ۱۳، ۱۴) یہ اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کا سب ملک اور اختیار ہے اور اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ ذرا بھی اختیار اور قدرت نہیں رکھتے، اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری دعا نہیں سنیں گے اور اگر سنیں تو تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتے اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کریں گے (کہ ہم نے ان سے نہ کہا تھا نہ یہ لوگ ہم کو پکارتے تھے بلکہ شیاطین کے بہکانے میں تھے) اور آپ کو کوئی بھی اللہ خبیر جیسی خبر نہ دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگوں کو لوگ پکارتے اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کو ان دعاؤں کا علم بھی نہیں چنانچہ دوسری آیت میں صاف مذکور ہے (**وھم عن دعائھم غافلون**) (سورہ احقاف آیت ۵) یعنی جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں۔

پس اڑے وقت میں جو لوگ پیروں، فقیروں سے امداد چاہتے ہیں یا دعا کرتے ہیں قرآن وحدیث کی رو سے ان کا یہ فعل شرک ہے جو صریح کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ [۱] اور آیت (**ایاک نستعین**) [۲] کے خلاف ہے گویا ایسے صاف مضمون کے لئے

---

[۱] .....اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔

[۲] .....اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ (سورہ فاتحہ آیت ۴)

Www.IslamicBooks.Website

جو کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ ہی کا ترجمہ ہو کسی بیرونی شہادت یا تائید کی حاجت نہیں، تاہم اپنے بھائیوں کی مزید تشفی کے لئے فریقین کے مستند بزرگ یعنی حضرت محبوب سبحانی مخدوم جہانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات شریفہ میں سے چند کلمات طیبات نقل کرتے ہیں۔ حضرت موصوف فتوح الغیب کے مقالہ نمبر ۴۲ میں فرماتے ہیں:

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال بینا أنا ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذقال یاغلام احفظ اللہ یحفظک، احفظ اللہ تجدہ أمامک ،فاذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ حف القلم بماھو کائن، ولو جھدالعباد أن ینفعوک بشئی لم یقضہ اللہ لک لم یقدروا علیہ ولو جھدالعباد أن یضروک بشئ لم یقضہ اللہ علیک لم یقدروا (علیہ) فان استطعت أن تعمل للہ بالصدق فی الیقین فاعمل وان لم تستطع فاصبر فان فی الصبر علیٰ ماتکرہ خیراً کثیراً واعلم أن النصر مع الصبر والفرج مع الکرب ، وان مع العسر یسراً" [1] فینبغی لکل مؤمن أن یجعل ھٰذا الحدیث مرآۃ لقلبہ وشعارہ ودثارہ وحدیثہ فیعمل بہ فی جمیع حرکاتہ وسکناتہ حتی یسلم فی الدنیا والآخرۃ ویجد العزۃ فیھا برحمۃ اللہ عزوجل . (مقالہ ۴۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جب کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا مجھ سے مخاطب ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کے حقوق

---

[1] .....اس حدیث کو ترمذی نے اپنی سنن (۲۵۱۸) میں، احمد بن حنبل نے اپنی مسند (حدیث نمبر ۲۵۳۷) میں، حاکم نے مستدرک (۶۲۴/۳) میں روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع الصغیر (۵۹۵۷)۔

Www.IslamicBooks.Website

محفوظ رکھ تو اللہ کو اپنے سامنے پاوے گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تو سوال کیا کرے تو اللہ ہی سے سوال کیا کر اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد چاہا کر جو کچھ ہونا ہے ہو چکا ہے اگر تمام مخلوق تجھے کچھ فائدہ پہونچانا چاہے جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہ کیا ہو تو کبھی قدرت نہ پاسکیں گے اور اگر تمام مخلوق تجھے کسی قسم کا ضرر پہونچانے کا ارادہ کرے جو اللہ نے تیرے حق میں مقدر نہ کیا ہو تو کبھی نہ پہونچا سکیں گے، پس اگر تو کر سکے کہ سچائی اور یقین کے ساتھ اللہ کے لئے عمل کرے تو کر اور اگر عمل کی طاقت نہیں تو تکلیفوں پر صبر کیا کر، کیونکہ (ناگوار چیزوں پر) صبر واستقلال میں بھی بہت سی بھلائی ہے اور تو یقین کر کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور کشائش پریشانی سے متصل ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے (اس حدیث کے بعد حضرت پیران پیر فرماتے ہیں) پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے جسم کا اندرونی اور بیرونی لباس بنائے اور اپنی ہر ایک بات میں اسی کو پیش نظر رکھے اور اپنی تمام حرکات وسکنات میں اسی پر عمل کرے (کہ اللہ کے سوا کسی مخلوق سے استمداد اور استعانت نہ کرے، نہ کسی سے امید نفع ونقصان کی رکھے) تاکہ دنیا وآخرت میں سلامتی سے رہے اور اللہ کی رحمت سے (اس میں) عزت پاوے۔

غرض اس مسئلہ میں اہلحدیث کا مذہب وہی ہے جو حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

دربلا یاری مخواہ از ہیچ کس زاں کہ نبود جز خدا فریاد رس

غیر حق راہر کہ خواند اے پسر کیست در دنیا ازو گمراہ تر [1]

ہاں ہمارا یہ بھی مذہب ہے کہ زندہ نیک بندوں کی دعا سے فائدہ ہوسکتا ہے،

---

[1]..... مصیبت میں کسی شخص سے مدد نہ مانگ اس لئے کہ اللہ کے سوا کوئی فریادرس نہیں ہے، اے بیٹے اللہ کے سوا جو کسی کو پکارے تو دنیا میں اس سے زیادہ گمراہ کون ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

احادیث تو اس بارے میں بہت سی وارد ہیں جن کا مضمون صریح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ سے دعا کے طالب ہوتے تھے اور آپ حسب منشاء ان کے لئے دعا فرماتے، قرآن شریف میں بھی یہ اشارہ باجمال پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی دعائیں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے جلد تر قبول فرماتا ہے مگر دعا کا قبول کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اور قبول کر کے فائدہ پہونچانا بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ مختصر یہ کہ اس مسئلہ میں ہمارا مسلک یہ ہے ؎

خدا فرما چکا قرآں کے اندر میرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں کہ کام آوے تمہاری بے کسی میں

اسی لئے کسی بزرگ کو مخاطب کر کے یوں کہنا ؎

امداد کن، امداد کن، از بند غم آزاد کن دردین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر را[1]

ہمارا طریق نہیں، کیونکہ قرآن وحدیث میں غیروں سے ایسی آرزو کرنے کو شرک کہا گیا ہے جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے ؎

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست [2]

ان تینوں مسئلوں (توحید، علم غیب، استمداد بالغیر) کو گو ہم نے کسی مصلحت سے الگ الگ بیان کیا ہے مگر حقیقت میں یہ تینوں مسئلے توحید میں مندرج ہیں اور کلمہ شریف لاالٰہ الااللہ کا مفہوم ہیں، فافہم ولا تکن من الذین یعلمون ویتبعون الذین لایعلمون [3] وقد قال اللہ تعالیٰ (ولا تتبعان سبیل الذین

---

[1]..... امداد کر، امداد کر، مجھے غم کی قید سے آزاد کر، اے شیخ عبدالقادر مجھے دین و دنیا میں شاد کر۔

[2]..... اگر گھر میں کوئی شخص ہے تو ایک حرف ہی کافی ہے۔

[3]..... پس سمجھ لے اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جو جانتے ہیں اور بے علموں کی پیروی کرتے ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

لایعلمون) [۴]

یہی مسائل ہیں جن کی وجہ سے اہلحدیث کو وہابی وغیرہ کہا جاتا ہے جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی محبت شدید کی وجہ سے بعض جُہّال رافضی کہتے تھے جن کے جواب میں امام موصوف نے فرمایا تھا۔

ان کان رفضاً حب آل محمد فلیشھد الثقلان انی رافض

یعنی اگر رفض اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام ہے تو جنو! اور انسانو! تم گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں۔

اسی طرح اہلحدیث بھی امام موصوف کے شعر میں تھوڑا سا تصرف کر کے اس لقب کی نسبت اپنا اظہار رائے کرتے ہیں۔

ان کان توحید الالٰہ توھبا فلیشھد الثقلان انی واھبی

یعنی اگر توحید الٰہی سے آدمی وہابی بنتا ہے تو جنو! اور انسانو! تم گواہ رہو کہ میں وہابی ہوں۔

☆☆☆☆☆

(۶) خلافت راشدہ

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ خلافت راشدہ حق پر ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین خلفاء راشدین تھے، ان کی اطاعت بموجب شریعت سب پر لازم تھی کیونکہ خلافت راشدہ کے معنی نیابت نبوت کے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور

---

[۴]..... اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور تم دونوں ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا جن کو علم نہیں۔ (سورہ یونس آیت ۸۹)

Www.IslamicBooks.Website

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نائب بنایا تھا، مرض الموت میں صدیق اکبر کو امام مقرر کیا حالانکہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے (یہ سوچ کر کہ کہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے تو میرے باپ کی نسبت لوگوں کا گمان بد نہ ہو کہ ایسا امامت پر کھڑا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانبر نہ ہو سکے) عرض کیا حضرت! ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں وہ آپ کی جگہ پر امامت نہیں کرا سکیں گے، آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امام بنا دیجئے مگر آپ نے ایک نہ سنی، بلکہ نہایت خفگی سے فرمایا "انتن صواحب یوسف" [1] (تم ویسی ہی عورتیں ہو جو یوسف کو بہکاتی تھیں) یعنی جن عورتوں کو زلیخا نے دعوت میں بلایا تھا اور انھوں نے یوسف علیہ السلام کو زلیخا کی طرف ناجائز میلان کرنے کی رغبت دی تھی اسی طرح مجھ کو ایک ناجائز کام کی رغبت دیتی ہو کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو منصب امامت پر مامور کروں، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برابر نماز پڑھاتے رہے آخر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُر ملال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب نے خلیفہ مان لیا اتنا بالا جمال واقعہ تو سنی، شیعہ دونوں گروہوں میں متفقہ ہے،

ایک حدیث جو خاص اہل سنت کی روایت سے ہے اس امر کا قطعی فیصلہ کرتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا: "عن عائشة رضی اللہ عنها قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی مرضه ادعی لی أبابکر اباک وأخاک حتی اکتب کتاباً فانی أخاف أن یتمنی متمن ویقول قائل أناأولیٰ

---

[1]..... اس حدیث کو بخاری نے کتاب الأذان (۶۶۴، ۶۷۹)، کتاب أحادیث الأنبیاء (۳۳۸۴) میں، ترمذی نے کتاب المناقب (۳۹۱۰) میں، امام مالک نے کتاب الموطأ کتاب قصر الصلوٰۃ فی السفر (۱۱۰/۱) میں اور امام أحمد نے اپنی مسند (۹۶/۶، ۱۰۹، ۲۰۲، ۲۱۰، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۷۰) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

ویأبی اللہ والمؤمنون الا أبابکر" (مشکوٰۃ باب فضائل ابی بکر)[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنے مرض موت میں فرمایا اپنے باپ ابوبکر اور بھائی عبدالرحمٰن کو بلا کہ میں خلافت کا فیصلہ لکھ دوں، ایسا نہ ہو کہ میرے بعد کوئی تمنا کرے اور کہنے لگے کہ میں خلافت کا (زیادہ) حقدار ہوں حالانکہ اللہ کو اور سب مومنوں کو ابوبکر کے سوا کوئی بھی منظور نہ ہوگا۔

اس حدیث سے نہ صرف خلافت صدیقیہ کا فیصلہ ہوتا ہے بلکہ اس مشہور مسئلہ قرطاس کا بھی تصفیہ ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلم دوات طلب کرنے پر صحابہ کے انکار و اقرار کا مشہور ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا تھا قلم دوات منگاؤ میں تم کو کچھ لکھ دوں میرے بعد جھگڑا نہ ہو اس پر صحابہ کا بایں خیال اختلاف رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری میں تکلیف ہوگی آخر آپ خلافت کی بابت ہی کچھ لکھوائیں گے عرض کیا حسبنا کتاب اللہ (ہم کو شریعت الٰہیہ کافی ہے) کیا ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی تکلیف میں اور تکلیف بڑھا دیں۔

اس دلیل کے پیش کرنے والے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ تھے جن کی قوت استدلال سب کو مسلم تھی چنانچہ اکثر نے ان سے اس رائے میں اتفاق کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں تکلیف دینی پسند نہ کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی معمولی اظہار رنج کر کے جیسے عموماً کسی ہمدرد بزرگ کو ایسے موقع پر ہوتا ہے ان کو اٹھا دیا اور فرمایا کہ میں اس وقت جس شغل میں ہوں تمہارے شغل سے کہیں بہتر ہے۔

---

[1]..... دیکھئے صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ (۷/۱۱۰) مسند احمد بن حنبل (۶/۲۴، ۴۷، ۱۰۶، ۱۴۴).

Www.IslamicBooks.Website

اس واقعہ پر فریقین (شیعہ وسنی) کی رائیں اور توجیہیں مختلف ہیں، شیعہ کہتے ہیں مضمون اُس تحریر کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنی چاہی تھی خلافت علی کی وصیت تھی یہی وجہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس باب میں مزاحمت کی، اہل سنت کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر لکھتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھتے مگر آپ نے لکھنے کو ضروری نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور پیشگوئی کے فرما چکے تھے کہ یأبی اللہ والمومنون الا أبابکر (اللہ اور مومنوں کو سوا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی پسند ہی نہ ہوگا)

اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ابوبکر کے بلانے کی بابت ارشاد کر کے خاموش رہے، اور اسی وجہ سے اس وقت بھی سکوت اختیار کیا۔

یہ حدیث اہل سنّت کے لئے ایک قوی دلیل ہے کہ خلافت صدیقی منظور نبوی ہے، نیز مسئلہ قرطاس کی بابت صریح تصفیہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہی بات لکھتے جس کے لکھنے کی خواہش پہلے ظاہر فرما چکے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا۔

خاص شیعہ کے طرز پر بھی اس کا جواب ہوسکتا ہے کہ بقول اُن کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت علی رضی اللہ عنہ کے پہونچانے پر مامور تھے اور بقول ان کے آیت (بلغ ماأنزل الیک من ربک) [1] جو کچھ تجھ کو اللہ کی طرف سے حکم پہونچا ہے پہونچادے۔

ان ہی معنی کے لئے نازل ہوئی تھی کہ خلافت علی کی بابت جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ لوگوں کو پہونچادے اگر تو نے نہ پہونچایا تو گویا تو نے نبوت کی تبلیغ نہ کی، پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے

---

[1] .....سورہ مائدہ آیت ۶۷

Www.IslamicBooks.Website

بڑے ضروری کام سے جس کا ارشاد جناب باری تعالیٰ سے پہونچا ہوا تھا جس کے نہ کرنے پر تمام نبوت کی تبلیغ کالعدم ہوتی تھی آپ نے لکھوانے میں تساہل فرمایا، اگر اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت مانع تھی تو صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی صلح کے مخالف تھے بلکہ بڑے زور سے اس مخالفت کو نیک نیتی سے ظاہر کرتے تھے اور پھیلاتے تھے مگر اس نازک موقع پر جہاں ایک طرف کفار کا ہجوم ہے اور دوسری طرف خود صحابی بھی رنجور دل بیٹھے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ ہوئی، تو اس موقعہ پر جب کہ تمام حاضرین خُدام ہیں، اہل بیت سب حاضر ہیں، عمر رضی اللہ عنہ کا اس قدر اثر ہوا کہ حکم الٰہی کی تبلیغ سے خاموش ہو گئے، ہمارے خیال میں ایسا گمان شان نبوت میں بدگمانی پیدا کرنے کا موجب ہے۔

شیعوں کی طرف سے اس دعویٰ پر کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی وصیت فرمائی تھی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من کنت مولاہ فعلي مولاہ"[1] (یعنی جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے)۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب ایمانداروں کے مولا ہیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی سب کے مولا ہیں اور مولا کے معنی حاکم اور امیر کے بتاتے ہیں، اسی حدیث کا تتمہ وہ الفاظ ہیں جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے روایت کئے جاتے ہیں کہ فرمان نبوی "من کنت مولاہ الخ" سن کر انہوں نے کہا تھا "بخ بخ یاأبا الحسن أصبحت مولائی ومولیٰ کل مؤمن ومؤمنة" یعنی

---

[1]..... اس حدیث کو ترمذی نے کتاب المناقب (۳۹۷۹) میں، احمد بن حنبل نے اپنی مسند (۵/ ۳۴۷، ۳۵۰، ۳۵۸، ۳۶۱) میں اور بزار نے اپنی مسند حدیث نمبر (۲۵۳۳) میں اور آجری نے کتاب الشریعۃ (حدیث نمبر ۱۵۱۳) میں بریدہ اسلمی سے روایت کیا ہے اس کو علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ حدیث نمبر (۱۷۵۰)۔

Www.IslamicBooks.Website

اے ابوالحسن علی مرتضیٰ تجھے مبارک ہو کہ تو میرا اور ہر ایماندار (مرد وعورت) کا مولا ہو چکا۔ (انتھیٰ مختصراً)

لیکن بغور دیکھا جائے تو اس سے شیعوں کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی حق خلافت تھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ نے خلافت علی رضی اللہ کو معاذ اللہ ظلم [1] سے غصب کیا جس کی وجہ سے مورد عتاب الٰہی ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اس حدیث میں جو مولا کا لفظ ہے جس پر سارا مدار ہے اس کے معنی دوست اور خالص محبوب کے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اپنی ذات ستودہ صفات کی نسبت بھی فرمایا ہوا ہے "لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس أجمعین" [2] یعنی جب تک میں سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور مجھے تم اپنی اولاد اور ماں باپ اور تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ سمجھو گے مسلمان نہ ہو گے۔

---

[1]..... اسی نیت سے شیعہ وعظ ونصیحت کی مجالس میں اور دعا کرنے سے پہلے عموماً بعد حمد وصلوٰۃ کے اگر خالص شیعوں کی مجلس ہو تو صریح طور پر اصحاب ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) پر لعنت کرتے ہیں اور اگر مجلس ملی جلی ہو تو لعنۃ اللہ علی الظالمین (ظالموں پر اللہ کی لعنت) کہا کرتے ہیں جس سے مراد ان کی بزعم خود اصحاب ثلاثہ ہوتے ہیں، اہل سنت کو ایسی لعنتیں سننے سے سخت رنج ہوتا ہے مگر ایک حدیث ان کو تسلی دے رہی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ لعنت کا حقدار نہیں ہوتا تو وہی لعنت لعنت کرنے والے پر وارد ہوتی ہے، ہاں اگر کوئی ہمارا سنی بھائی کسی مجلس میں شیعہ سے یہ کلمہ سن کر دل میں ناراض ہوتا ہو تو وہ بھی آہستہ سے اسی وزن کا لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ سکتا ہے۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد.. درعفولذتیست کہ درانتقام نیست (منہ) (یعنی عوض ومعاوضہ شکوہ نہیں رکھتا ہے اور معاف کردینے میں ایسی لذت ہے جو انتقام میں نہیں ہے)۔

[1].....اس حدیث کو بخاری نے کتاب الایمان (حدیث نمبر ۱۵) میں، مسلم نے کتاب الایمان (حدیث نمبر ۴۴) میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

نیز اُسی حدیث من کنت مولاہ .الخ کے اخیر میں بروایت امام احمد، [1] ابویعلی اور طبرانی کے یہ الفاظ ہیں اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فرمانے من کنت مولاہ الخ کے یہ بھی فرمایا کہ اے اللہ جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرے اس سے تو محبت کر اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے دشمنی کر اور اُس کو مبغوض رکھ۔

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت نہ فرمائی تھی بلکہ اخلاص اور محبت کے متعلق تھی جو ہم کو بھی منظور ہے کیونکہ موالات کے مقابلہ میں آپ نے معادات کا لفظ فرمایا ہے پس جو اس مقابلہ کا مفہوم ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں جس پر ہمارا بھی صاد ہے۔

اس سے بڑھ کر قوی قرینہ بلکہ دلیل ان معنی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان الفاظ سے صرف وصیت محبت تھی نہ وصیت خلافت، واقعہ بیعت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرماتے ہی انصار مدینہ نے ایک الگ مجلس منعقد کر کے امیر بنانے کی تجویز کی جس پر ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما یہ خبر سنتے ہی مع ابوعبیدہ امین امت رضی اللہ عنہ کے وہاں برسر موقع پہونچے، دیکھا کہ مباحثہ گرم ہے، انصار کا ارادہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے امیر مقرر ہو، ان صاحبوں کے سوال وجواب کرنے کرانے پر آخر انھوں نے یہ بھی کہا کہ منا امیر ومنکم أمیر یعنی ایک امیر ہم میں سے ہو اور

---

[1]..... اس کو احمد نے مسند (۲۸۱/۴) میں، ابن ماجہ نے مقدمہ سنن (۱۱۶) میں، آجری نے کتاب الشریعۃ (۱۵۲۴) میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے اور ابویعلی نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم صغیر (ص ۳۳) میں اور اوسط (۲۴۴۲) میں اور آجری نے کتاب الشریعۃ (۱۵۲۵) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

ایک امیر تم میں سے، جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی پیش کی کہ "الأئمة من قريش" [1] یعنی امارت اور امامت قریش ہی میں ہے، جب سب انصار کے روبرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل پیش کی تو کسی کو اس سے انکار کی جرأت نہ ہوئی، آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو گئے، اب سوال یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار کے مقابلہ پر حدیث پیش کر کے ان کے دعویٰ کو توڑا اسی طرح کسی صحابی نے انصار سے یا مہاجرین سے بلکہ اہل بیت میں سے یہ حدیث کیوں نہ پیش کی کہ آپ یونہی خلیفہ بنائے گے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت اور تاکید فرمائی ہوئی ہے اور آپ دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) صاحبوں نے علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کی ہوئی ہے بلکہ مبارکبادیاں بھی دی ہوئی ہیں پھر آپ کا کیا منصب ہے کہ آپ خلافت کے مدعی ہوں اور تو اور ائمہ اہل بیت اور خاندان بنی ہاشم نے بھی اس دلیل کو کیوں نہیں پیش کیا حالانکہ ایسی قوی دلیل تھی کہ اس دلیل کے سامنے کسی کی چون وچرا چل ہی نہ سکتی کیونکہ ہزاروں آدمی اس کے گواہ موجود تھے لیکن جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ ہدیٰ اور خاندان بنی ھاشم بلکہ مہاجرین وانصار میں سے کسی نے یہ حدیث اور واقعہ غدیر کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف بلکہ بعد خلافت صدیقی کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت بلکہ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت بھی پیش نہ کیا جب کہ کوئی امر مشکل نہ تھا

---

[1] ..... اس کو أحمد نے مسند (۳/۱۲۹) میں، دولابی نے الکنی (۱/۱۰۶) میں، ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ (حدیث نمبر ۱۰۲۰) میں، حاکم نے مستدرک (۴/۵۰۱) میں، ابونعیم نے حلیۃ الأولیاء (۸/۱۲۲-۱۲۳) میں، بیہقی نے سنن کبری (۳/۱۲۱) میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ اپنے شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے۔ دیکھئے ارواء الغلیل (حدیث نمبر ۵۲۰)۔

Www.IslamicBooks.Website

،صرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ موقوف تھا اور بالکل الگ دارالندوہ (کمیٹی گھر) میں صرف تینوں صاحب (عبدالرحمٰن، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) بیٹھے ہوئے تھے اس حدیث کا پیش کرنا کیا مشکل تھا، پس جب کہ کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، نہ کسی اپنے نے، نہ بیگانے نے، مہاجرین نے، نہ انصار نے، بلکہ نہ خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین نے، تو معلوم ہوا کہ سب صحابہ مع اہل بیت اس حدیث "من کنت مولاہ الخ" سے یہی معنی سمجھتے تھے جو ہم نے بیان کئے، نہ وہ جو شیعہ کا گمان ہے۔

اس مختصر سی تقریر سے شیعوں کی کل روایتوں کا جواب ہوسکتا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے بعض میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت امیر المؤمنین کا لفظ بھی آتا ہے کیونکہ اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ روایات غلط ہیں یا ماوّل، اسی تقریر سے حضرت عمر فاروق وعثمان ذوالنورین وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ خلافت کا مدار اسی بات پر ہے کہ رعایا میں سے صلحاء لوگ خلیفہ کو منتخب کریں یا خود خلیفہ اپنے نائب کو منتخب کر جائے اور بعد اُس کے لوگ اُس سے بیعت کرلیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول نے انتخاب کیا اور سب لوگوں نے منظور کیا تھا اور باقی دونوں رعایا کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے مگر چونکہ اصل بحث سنی وشیعہ صرف اس امر پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا حق خلافت تھا جو ابوبکر وغیرہ نے معاذ اللہ غصب کیا یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق تھے اس واسطے ہم نے اس جگہ مختصر طور سے اس امر پر بحث کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل نہ تھے بلکہ جو کچھ ہوا یہی حق تھا۔

اس دعویٰ پر سنی دلائل کے علاوہ شیعوں کی روایات بھی مؤید ہیں، شیعوں کی مستند اور معتبر کتاب "نہج البلاغۃ" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول منقول ہے جو

Www.IslamicBooks.Website

شیعہ وسنی کی نزاع میں قول فیصل ہے۔ حضرت ممدوح امیر معاویہ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"انہ بایعنی القوم الذین بایعوا أبابکر وعمر وعثمان علی مابایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد أن یختار ولا للغائب أن یرد، وانما الشوری للمھاجرین والأنصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماما کان ذٰلک رضی فان خرج من أمرھم خارج بطعن أوبدعة ردوہ الیٰ ماخرج منہ فان أبیٰ قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین وولاھا اللہ ماتولی. (نہج البلاغۃ ص ۷ جلد دوم)

مجھ سے اس قوم نے بیعت کی ہے جس نے حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے بیعت کی تھی۔ اسی شرط پر کی ہے جس شرط پر اُن سے کی تھی پس اب کسی حاضر کو الگ رہنے اور کسی غائب کو رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ (کونسل) تو مہاجرین اور انصار کا ہے اگر یہ لوگ کسی شخص پر جمع ہو کر اس کو امام بنا دیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہوگا پھر اگر ان کے حکم سے کوئی شخص طعنے یا بدعت سے سرتابی کرے گا تو اس کو وہ اس طرف پھیریں گے جہاں سے وہ نکلا ہوگا (یعنی دین کی طرف) اگر وہ انکار کرے تو مسلمانوں کے خلاف روش چلنے پر اس سے لڑیں گے اور جدھر وہ جائے گا اللہ بھی اُس کو اُدھر ہی پھیر دے گا۔

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی خلافت کا مسئلہ شوریٰ سے متعلق جانتے تھے اور اپنی خلافت کو اُصحاب ثلاثہ (ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم) کی خلافت جیسی سمجھتے تھے، بغور دیکھا جائے تو یہ روایت اس مسئلہ کی بابت صاف فیصلہ دیتی ہے مگر دیکھنے کو چشم بینا اور سننے کو گوش وا (کھلا ہوا کان) ہونے چاہئیں [1]۔ واللہ الھادی.

---

[1]..... مسئلہ خلافت میں ہمارا ایک رسالہ مستقل بھی ہے جس کا نام خلافت محمدیہ ہے (منہ)

Www.IslamicBooks.Website

(۷) وراثت انبیاء علیہم السلام

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت اُن کی اولاد اور دیگر ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتی بلکہ مثل صدقہ اور وقف مال کے ہوتی ہے یہ مسئلہ خلافت کے مسئلہ کے بعد سنیوں اور شیعوں میں معرکۃ الآراء ہے مگر ہم اللہ کے فضل سے اس کو ایسی عمدگی سے حل کریں گے کہ باید وشاید۔

ہمارے نزدیک شیعوں نے اپنی کتابوں اور روایتوں کی بھی پرواہ نہیں کی اور ناحق اس مسئلہ کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدگمان ہو گئے، کچھ تو خلافت کی وجہ سے، کچھ اس مسئلہ کی پناہ میں، یہ لوگ جملہ اصحاب کو عموماً اور صدیق رضی اللہ عنہ (کے دشمنوں) کو خصوصاً ایسے الفاظ اور القاب سے یاد کیا کرتے ہیں کہ کسی ایماندار کو تو کیا کسی بھلے آدمی کے بھی شایان شان نہ ہوں۔ خیر اُن الفاظ کا دُہرانا یا اُن کا عوض لینا تو ہمارے رسالہ کے موضوع سے اجنبی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے رسالے کے ناظرین میں سے کسی ایک کی بھی ہمارے طرز مضمون سے دل آزاری ہو، اس لئے ہم اپنے بھائیوں کے ظلم کا اظہار نہیں کرتے، اس مسئلہ میں چونکہ ہمارا روئے سخن خاص شیعوں سے ہے اس لئے ہم ایک روایت اپنی اور ایک دو روایتیں ان کی بیان کریں گے۔

ہماری روایت اس دعویٰ پر صحیح بخاری کی حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے **"قال أبوبكر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لانورث ماتركنا صدقة"**[1] (بخاری کتاب الفرائض)۔

---

[1]..... اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الفرائض حدیث نمبر (۶۷۲۶) میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب السیر (۵/۱۵۳۔۱۵۴) میں طویل سیاق کے ساتھ روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

(ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے سنا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

شیعوں کی حدیث [1] اس بارے میں اصول کلینی میں (جو شیعوں کی مستند کتاب ہے) موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"عن أبی عبداللہ قال: ان العلماء ورثة الأنبياء وذلک ان الأنبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا وانما أورثوا أحاديث من أحاديثهم فمن أخذ بشئ منها أخذ حظا وافرا" (اصول کلینی کتاب العلم)

ابوعبداللہ جعفر صادق سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیاء نے اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ صرف علم کی باتیں چھوڑی ہیں جو شخص ان علمی باتوں میں سے کچھ لیتا ہے وہ بہت بڑا حصہ لیتا ہے۔

شیعوں کی ایک مستند کتاب میں مرقوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب میراث طلب کی تو خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"لک مالأبيک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يأخذ من فدک قوتکم ويقسم الباقی وينفق منه فی سبيل اللہ ولک علیٰ أن أصنع بها کما کان يصنع فرضيت بذلک وأخذت العهد عليه به"

(شرح ابن ابی الحدید ص ۵۳۸)

جو آپ کے مورث (باپ) کا حق تھا وہی آپ کو ملے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ باغ فدک میں سے (جسے آپ وراثت میں مانگتی ہیں) تمہارا

---

[1]..... یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے اصول کلینی میں آئی ہے اس لئے ہم نے مرفوع کے لفظ سے ترجمہ کیا ہے۔ (منہ)

Www.IslamicBooks.Website

یعنی عیال کا گزارہ لے لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے، اور آپ کے سامنے میں عہد کرتا ہوں کہ میں بھی اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کیا کرتے (پس یہ سن کر) فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر راضی ہو گئیں اور خلیفہ سے اس پر وعدہ پختہ لیا۔

پس ان روایتوں سے جو امر ثابت ہوتا ہے وہی اہلحدیث کا مذہب ہے میں نے اس روایت کو بعض مشاہیر شیعہ علماء کی خدمت میں پیش کیا جو جواب انھوں نے دیا اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے بیان سے پہلے اس روایت سے گویا ان کے کان آشنا ہی نہ تھے آخر انھوں نے کہا کہ ایسے مسائل کا فیصلہ امام مہدی علیہ السلام ہی کریں گے جس پر میں نے عرض کیا بہت خوب چشم ما روشن، دل ما شاد [1]

چونکہ یہ مضمون دونوں گروہوں کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اس لئے جو سوال اس پر وارد ہوگا اس کے جواب دہ دونوں گروہ ہوں گے، پس اگر ہمارے جواب سوالات آئندہ کے اٹھانے کو کافی نہ ہوں تو شیعہ ہی کوئی جواب دیں، کیونکہ بموجب روایت کلینی ان کا اور ہمارا مذہب اس مسئلہ میں ایک ہی ہے یا ایک ہی ہونا چاہیئے۔

ایک سوال اس پر یہ ہے کہ خداوند کریم نے قرآن شریف میں تمام ایمانداروں کو خطاب کر کے فرمایا (یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین) [2] یعنی اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکی کی نسبت لڑکے کا دگنا حصہ ہے۔

اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے خطاب سرور عالم فداہ أبی وأمی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل ہوتے ہیں، پس آیت قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت

---

[1] ..... ہماری نگاہ روشن اور ہمارا دل شاد مان [2] ..... سورہ نساء آیت ۱۱

Www.IslamicBooks.Website

صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو بھی تمام مسلمانوں کی طرح وراثت ملنی چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت موصوفہ مخصوص البعض ہے یعنی جس قدر اس کا عموم ظاہر میں معلوم ہو رہا ہے اتنا مراد نہیں، بلکہ اس میں سے بعض اقسام دونوں گروہوں (سنی وشیعہ) کے نزدیک اس حکم سے باوجود شمول آیت کے خارج ہیں، چنانچہ ذیل میں ہم دونوں گروہوں کی کتب وراثت سے عبارت نقل کرتے ہیں جو یہ ہے:

المانع من الارث أربعة الرق وافراً كان أوناقصا، والقتل الذى يتعلق به وجوب القصاص أوالكفارة،واختلاف الدينين ،واختلاف الدارين اماحقيقة كالحربى أوالذمى أوحكما كالمستامن والحربيين من الدارين مختلفين. [1] (سراجی وشرائع الاسلام)

غلام خواہ مسلمان ہو اور باپ کا قاتل اور مسلمان باپ کا کافر بیٹا وغیرذٰلک باپ کے وارث نہ ہوں گے۔

حالانکہ آیت مرقومہ میں عام حکم ہے پس جس طرح یہ اقسام آیت سے باوجود شمول کے خارج از حکم ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء بھی خارج ہیں کیونکہ انبیاء کی اولاد وارث مال نہیں ہوتی۔

دوسرا شبہہ اس مضمون پر اُس آیت سے کیا جاتا ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت سلیمان علیہ السلام تک پہونچنے کا ذکر ہے یعنی (وورث سلیمان داؤد) [2] پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باپ حضرت داؤد

---

[1]..... موانع ارث کل چار ہیں ایک غلامی خواہ مکمل ہو یا ناقص، دوم وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ واجب ہو، سوم اختلاف مذہب، چہارم اختلاف ملک خواہ حقیقی ہو جیسے حربی یا ذمی، یا حکمی طور پر ہو جیسے مستامن اور دو مختلف ملک کے دو حربی یعنی ایک دار الحرب میں ہو اور دوسرا دار الاسلام میں ہو تو ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

[2]..... اور سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ سورہ نمل آیت ۱۶۔

Www.IslamicBooks.Website

علیہ السلام سے وراثت پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ) کیوں وارث نہ سمجھے جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وراثت علمی ملی تھی یعنی نبوت اور حکمت میں سلیمان، داؤد علیہما السلام کے وارث ہوئے تھے نہ کہ مال واسباب میں، علمی وراثت کے تو ہم بھی قائل ہیں، اختلاف تو مالی وراثت میں ہے، اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو اس کا ذکر ہی کیا ضروری تھا جب حضرت سلیمان، حضرت داؤد علیہما السلام کے بیٹے تھے تو ان کے وارث ہونے میں اشتباہ ہی کیا تھا، جس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا، نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے اور بیٹے بھی تھے پھر بالخصوص حضرت سلیمان علیہ السلام کو وراثت مالی کیسے پہونچ گئی اور دوسرے محروم کئے گئے، ان وجوہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی علمی وراثت حضرت سلیمان علیہ السلام تک پہونچی تھی نہ کہ مالی۔

اس دعویٰ پر ہمارے پاس شیعی روایت بھی موجود ہے جو فیصلہ کن ہے، امام ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان داؤد ورث الأنبیاء، وان سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان وانا ورثنا محمداً" (اصول کلینی ص ۱۳۷) یعنی حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے وارث ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے اور ہم اہل بیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بنے۔

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت علمی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ ہدیٰ تک پہونچی جو ہم دونوں (اہل سنت اور شیعہ) کا مذہب ہے، الحمدللہ نعم الوفاق۔

Www.IslamicBooks.Website

(۸) اتباع سنت اور اجتناب از بدعت

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ ہر مذہبی کام میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع (موافقت) فرض ہے سرمُو اس سے کمی بیشی جائز نہیں جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود کیا اور نہ کرنے کی اجازت فرمائی ہو نہ اصولاً، نہ فروعاً وہ بدعت ہے خواہ اس کا شیوع اس وقت تمام عالم میں ہو، خواہ حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وا کراماً میں ہو، خواہ اس کے موجد ہندی (ہندوستانی) ہوں یا حجازی، عربی ہوں یا عجمی، گو اس مسئلہ پر مسلمانوں کے روبرو دلیل پیش کرنی کچھ ضروری نہیں مگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے جہاں مسئلہ توحید ان میں مختلف فیہ ہو رہا ہے اتباع سنت بھی معرکۃ الآراء بن رہی ہے اس لئے محض اپنے مدعا کے اثبات کے لئے مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف میں تو کئی ایک آیات ہیں جن کا صریح حکم ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چال اختیار کرو بلکہ یوں کہئے کہ تمام قرآن شریف اسی ہدایت سے بھرا پڑا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیراً)

(سورہ احزاب آیت ۲۱)

جو لوگ اللہ پر اور پچھلے دن (قیامت) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت ذکر کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں بہت عمدہ نمونہ ہے۔

احادیث بھی ان معنی میں کثرت سے ہیں، ایک حدیث کا مضمون ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من أحدث فی أمرنا ھذا

Www.IslamicBooks.Website

مالیس منہ فھو رد. [1] (متفق علیہ).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے دین میں ایسی کوئی نئ بات پیدا کرے جو اس میں نہیں تو وہ عمل اللہ کی جناب میں مردود ہے۔

قرآن شریف کا صریح حکم ہے (فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم). (سورہ نساء آیت ۶۵)

تمہارے رب کی قسم جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہ ہوں گے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کو اتباع (موافقت) سنت کا اہتمام سب سے زیادہ تھا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ جیسے بزرگ بھی یہی خواہش بلکہ آرزو کرتے تھے کہ اشاعت سنت کی جاوے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''الحال آرزوئے نماندہ است الا آنکہ احیاء سنت از سنن مصطفویہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیمات نمودہ آید'' [2] (مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۷)

پھر اسی جلد کے مکتوب ۴۲ میں شیخ درویش کو ارقام (تحریر) فرماتے ہیں:

''بہترین مصقلہا از برائے زدودن زنگ محبت ما دون حق سبحانہٗ از برائے حقیقت جامعہ قلبیہ متابعت سنت است'' [3]

ایسا ہی مولانا محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ بھی اتباع (موافقت) سنت کی تاکید فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

''اجعل الکتاب والسنۃ امامک وانظر فیھما واعمل بھما ولاتغتر

---

[1]..... دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصلح حدیث نمبر (۲۶۹۷)، وصحیح مسلم کتاب الاقضیۃ حدیث نمبر (۱۷۱۸)

[2]..... اب صرف یہی آرزو ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کیا جائے۔

[3]..... اللہ برحق کے سوا دنیاوی محبت کی آلودگی اور زنگ کو دور کرنے کے لئے پورے طور پر قلبی یکسوئی کی خاطر بہترین صفائی کا سامان اتباع سنت ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

بالقال والقيل والهوس قال اللّٰہ تعالیٰ (ماآتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا واتقوا اللّٰه ان اللّٰه شديد العقاب) ۱؎ واتقوا اللّٰه ولاتخالفوه فتتركوا العمل بما جاء به وتخترعوا لأنفسكم عملاً وعبادة كما قال اللّٰه جل وعلا في حق قوم ضلوا عن سواء السبيل (رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم) ۲؎ ثم انه زكى نبيه عليه السلام ونزهه من الباطل فقال وماينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحىٰ ۳؎ أي ما آتاكم به من عندي لامن هواه ونفسه فاتبعوه ثم قال قل ان كنتم تحبون اللّٰه فاتبعوني يحببكم اللّٰه ۴؎ فبين أن طريق المحبة اتباعه صلى اللّٰه عليه وسلم قولاً وفعلاً. (فتوح الغيب مقالہ نمبر ۳۶)۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام بناؤ اور ان پر غور وفکر کرو اور ان کے مطابق عمل کیا کرو، اور ادھر ادھر کی قیل وقال (چون وچرا) اور بے ہودہ ہوس سے دھوکہ نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو تم کو یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوے وہ مضبوط پکڑو اور جس سے منع فرمادے اس سے ہٹ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑے سخت عذاب والا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو کہ جو تعلیم اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس لایا ہے اسے چھوڑ کر اور قسم کی عبادتیں اپنی طرف سے نکالنے لگو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہ قوم عیسائیوں کے حق میں فرمایا ہے (جو راہ حق سے بھٹک گئے تھے) کہ انھوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی، پھر اپنے رسول علیہ السلام کی

۱؎ ...... سورہ حشر آیت ۷
۲؎ ...... سورہ حدید آیت ۲۷
۳؎ ...... سورہ نجم آیت ۳،۴
۴؎ ...... سورہ آل عمران آیت ۳۱

Www.IslamicBooks.Website

پاکی بیان کی اور باطل سے اس کا الگ ہونا بتلایا، چنانچہ فرمایا کہ ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے نہیں بولتا اس کا بول ہماری وحی ہے یعنی جو کچھ وہ تمہارے پاس لایا ہے وہ میرے پاس سے لایا ہے نہ کہ اپنی خواہش سے اس نے بنایا ہے پس اس کی اتباع کرو پھر اللہ نے فرمایا اے میرے رسول علیہ السلام تو ان سے کہہ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، پس صاف بتلا دیا کہ اللہ کی محبت کا طریق اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع ہے قول اور فعل میں۔

حضرت موصوف نے نہ صرف اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے بلکہ اس بات سے بھی ڈرایا ہے کہ کوئی کام از قسم عبادت ایسا نہ نکالنا چاہئے جو سنت نبویہ نہ ہو۔

(۹) عُرس، مولود وغیرہ

یہی وجہ ہے کہ اہلحدیث قبروں پر عرس کرنے کو بدعت جانتے ہیں (بشرطیکہ کسی قسم کی استمداد و استعانت اہل قبور سے نہ ہو ورنہ شرک ہو جائے گا)، اور آج کل کے رسمی مولود کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے اور جس طریق سے کی جاتی ہیں نہ ان کو باعث ثواب یا مطابق سنت جانتے ہیں، اس لئے کہ زمانہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس ہیئت کی مجلسیں نہ ہوتی تھیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تولد کے ذکر پر قیام کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے کہا، بلکہ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں بھی اس کا رواج نہ ہوا، اس کے جواب میں ہمیں طرح طرح کی باتیں سنائی جاتی ہیں جن سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے بھائی ہمارا مطلب نہیں سمجھتے، اسی لئے ہم نے حضرت شیخ جیلانی (رحمہ اللہ) کی عبارت نقل کی ہے پس جو کچھ اس عبارت سے مفہوم ہے وہی اہلحدیث کا مذہب ہے۔ ایسی مجالس کے انعقاد کی بابت ہم سے کہا جاتا ہے کہ مطلق ذکر الٰہی جب شرع میں ثابت ہے تو مجلس مولود میں کیا قباحت

Www.IslamicBooks.Website

ہے؟ یہ بھی ذکر اللہ ہی کی مجلس ہے، قیام کی بابت اللہ نے فرمایا ہے (وتعزروہ وتوقروہ) [1] یعنی مسلمانو! تم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو اور ان کی تعظیم وتکریم کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد کے ذکر پر کھڑے ہونا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہے تو پھر کھڑے ہو کر صلوٰۃ (درود) پڑھنے میں کیا حرج ہے؟

ان سب امور کا جواب یہ ہے کہ گو (بالفرض) مجلس مولود میں تمام ذکر ہی ہوتا ہے مگر چونکہ اس قسم کی مجلسیں نہ زمانہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ زمانہ صحابہ میں منعقد ہوتی تھیں اس لئے سنت نہیں ہو سکتیں، اور نہ اس قسم کی تعظیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے اور نہ صحابہ نے کی (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام تعظیم کی قسم سے نہیں بلکہ بدعت ہے، علاوہ اس کے مجلس مولود کا سراسر ذکر الٰہی پر مشتمل ہونا بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا ایک جزو اعظم قیام ہے جس کی کوئی سند اور اصل شرع میں نہیں، بے شک کتاب اللہ میں کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح ذکر کی اجازت بلکہ حکم ہے مگر یہ تو نہیں کہ ایک حالت پر ذکر کر رہے ہو تو ایک خاص موقع پر پہونچ کر اس حالت سے دوسری حالت کو انتقال کر جاؤ، اس انتقال کی اگر کوئی وجہ شرعی ہے تو بتلاؤ ورنہ بلا وجہ شرعی کسی کام کو موجب ثواب سمجھنا ہی بدعت ہوتا ہے یعنی جس کام کو شریعت نے ثواب نہ کہا ہو اسے ثواب سمجھنا بس یہی بدعت ہے، پس بروقت ذکر ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں دست بستہ ہو جانا کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔؟ علاوہ اس کے جس نیت سے کھڑے ہوتے ہیں وہ بھی خاص غور طلب ہے، اس وقت کھڑے ہونے والوں کی نیت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح اس مجلس میں آئی ہے

---

[1] ..... سورہ فتح آیت ۹

Www.IslamicBooks.Website

چنانچہ اس وقت سب کے سب درود بصیغۂ مخاطب دست بستہ (والصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ) پڑھنے لگ جاتے ہیں یہ نیت وخیال سراسر حاضر ناظر جاننے کے برابر ہے، یہ صریح شرک ہے۔ اُعاذنا اللہ منہ [۱]

پس جب کہ مولود میں جزو اعظم قیام ہے اور وہ بالکل بے ثبوت امر ہے جس کو ثواب سمجھا جاتا ہے تو مجموعہ مجلس میلاد جو ایسے جزو بے ثبوت بلکہ بدعت وشرک پر مشتمل ہے اگر اس میں اور کچھ خرابی نہ ہو تو یہی خرابی بہت ہے کہ اس کا جزو اعظم بدعت بلکہ بعض وجوہ اور فاعلین (کرنے والوں) کی نیت سے شرک ہے، تعجب ہے کہ بعض علماء [۲] اس قیام کو بے ثبوت تو مانتے ہیں پھر بھی بایں لحاظ کہ حرمین شریفین کے علماء [۳] کرتے ہیں اس کو بدعت کہنے سے خاموش رہتے ہیں بلکہ اس کے مستحسن ہونے کے قائل ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ کی کتاب صاف ناطق ہے کہ مسائل شرعیہ میں کسی شخص کو منصب شریعت نہیں، ہر ایک امتی کا یہی منصب ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی چال چلے، حرمین شریفین والے بھی اسی طرح شریعت کے مکلّف اور مخاطب ہیں جس طرح ہند اور سندھ والے، ایسے ہی مواقع کے لئے صاف ارشاد ہے (اتبعوا ما أنزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء) (سورہ اعراف آیت ۳) اللہ کی نازل کی ہوئی تمہاری طرف ہدایت پر چلو اور اس کے سوا اور دوستوں

---

[۱]..... اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں پناہ میں رکھے۔

[۲]..... جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی مرحوم، دیکھو فتویٰ مندرجہ کتاب رحمۃ للعالمین چشمہ نور امرتسر (منہ)

[۳]..... یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حرمین پر بدعتیوں کی حکمرانی تھی اور ترکوں اور شریفیوں کا اقتدار تھا، اور اب الحمدللہ موحد و متبع کتاب وسنت سعودی حکومت نے حرمین شریفین کو ان تمام بدعات وخرافات سے پاک کر دیا ہے اور یہ درحقیقت شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی مجاہدانہ مساعی اور شاہ سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی دینی حمیت اور اسلامی فکر کا نتیجہ ہے اور یہ توحید پرور ماحول آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ قائم ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

کی بات نہ مانو۔

یہی وجہ ہے کہ عالی مقام جناب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حرمین شریفین کے علماء کا اجماع حجت نہیں مانا، چنانچہ اصول فقہ کی ہر ایک کتاب میں یہ مسئلہ مصرح ہے، پس اگر کسی متبرک مقام کے لوگ کوئی فعل کریں اور اس کا ثبوت شرع سے نہ دے سکیں تو وہ بھی ہمارے مخاطب ویسے ہی ہیں جیسے ہندی (ہندوستانی) اور سندھی، ہم بہ تعلیم قرآن وحدیث کسی امتی شخص میں یہ قابلیت نہیں مانتے کہ اس کا قول وفعل بلا دلیل شرعی سند اور حجت ہو۔

یہی مذہب علماء سلف ہے کہ بغیر اجازت شرعی کے وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے دیکھو تو درود شریف کا پڑھنا جو بموجب تعلیم قرآن وحدیث سراسر موجب برکت ہے بعض جگہ اسی درود کے پڑھنے سے سب علماء سلف نے منع کیا ہے مثلاً نماز کے پہلے قعدہ (التحیات) میں اگر درود کا ایک جملہ بھی پڑھ لے گا تو حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو لازم آجائے گا حالانکہ قرآن وحدیث سے درود پڑھنے کی فضیلتیں بے انتہا ثابت ہیں پھر کیوں سجدۂ سہو لازم آیا؟ صرف اس لئے کہ بے اجازت شرع پڑھا گیا، شیخ سعدی مرحوم نے کیا ہی سچ فرمایا ہے ؎

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست اگر خوں بفتویٰ بریزی رواست [1]

یہی وجہ ہے کہ علماء محققین حنفیہ بھی مولود کی مجلسوں کو بدعت جانتے ہیں منجملہ اُن کے علماء گنگوہ، سہارنپور، دیوبند، مرادآباد، امروہہ، علماء دہلی، لکھنؤ، راولپنڈی وغیرہ حنفیہ کرام میں سے اس کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔

غرض مختصر یہ کہ اہلحدیث کسی امر کو بغیر اطلاع شرعی کے موجب ثواب نہیں جانتے، ان کے خیال پر بعض سادہ لوحوں کی طرف سے ان گنت سوال ہوتے ہیں

---

[1]..... شریعت کے حکم کے بغیر پانی پینا غلطی نہیں ہے اگر فتویٰ کے ذریعہ خونریزی کرنا درست ہے

Www.IslamicBooks.Website

گو در اصل وہ سوال ہی اپنے جواب ہیں اور سائل کی بے سمجھی اور لاعلمی پر بین دلالت کرتے ہیں مگر بعض لوگ ایسے سائلوں سے بھی سادہ لوحی میں بڑھے ہوتے ہیں ان کے سمجھانے کو ایسے سوالوں کے جوابات ہم ذکر کرتے ہیں۔

پہلا سوال: جس کو بہت ہی بڑی رنگ آمیزی سے بیان کیا جاتا ہے یہ ہے کہ تم (اہل حدیث) قرآن شریف کا ترجمہ دیسی زبان میں کیوں کرتے اور پڑھتے ہو؟ کس حدیث میں آیا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ اردو، فارسی، پنجابی زبانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، یا کوئی تفسیر عجمی زبان میں بھی لکھی یا لکھائی؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ ''تو آشنائے حقیقت نئی خطا ایں جاست''[1] اردو، فارسی وغیرہ میں قرآن شریف سمجھنے کی اجازت بلکہ حکم صاف خود قرآن مجید میں موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہے: (کتاب أنزلنا ہ الیک مبارک لیدبروا آیاته ولیتذکر أولو الألباب) (سورہ ص آیت ۲۹) ہم نے یہ بابرکت کتاب آپ کی طرف اسی لئے نازل کی ہے کہ لوگ اس کے حکموں پر غور کریں اور عقلمند اس سے نصیحت پائیں۔

پس جب قرآن مجید کا نزول ہی ہمارے تدبر اور سمجھنے کے لئے ہے تو دیسی زبان میں ترجمہ کئے بغیر ہم کیونکر سمجھ یا سمجھا سکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ بعض احکام شریعت میں بطور اصل مقصود کے قرار دیئے گئے ہیں اُن کے ذرائع پر نظر نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ مناسب حال اور لائق مقام ذریعہ ان کے حصول کا بن سکے بنالیا جاتا ہے مثلاً جہاد یا حج وغیرہ کے سفر کو جانا تو شرع میں ثابت ہے مگر اس امر کی خصوصیت نہیں کہ کس سواری کے ذریعہ سفر ہو اونٹوں کے ذریعہ یا گھوڑوں کے، یکے سے یا ریل سے، کیونکہ یہ سب اسباب ہیں جو مناسب حال ہو

---

[1]..... تو حقیقت سے آشنا نہیں ہے غلطی اسی جگہ پر ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اُسے برت لینا چاہئے، ایسا ہی شریعت میں کفار کے غلبہ اور مزاحمت فی الدین کے وقت جہاد کرنے کا حکم ہے مگر اس امر کی کوئی خصوصیت نہیں کہ نیزوں سے ہو یا تلواروں سے، جو زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں اسباب جنگ تھے بلکہ مناسب حال جو ہتھیار ملے بندوق ہو یا توپ، نیزہ ہو یا تلوار، اُسی طرح فہم مطالب قرآنی کو سمجھنا چاہیئے کہ اصل مطلب قرآن شریف کا سمجھنا ہے اس کے ذرائع کی تخصیص نہیں علیٰ ھٰذا القیاس اور بھی جتنے اعتراضات ہیں اسی قسم سے ہیں، پس ان سب کے جوابات اسی اصول سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

مجلس مولود اس قسم سے نہیں کیونکہ وہ (بقول حامیانِ مولود) ذکر ہے اور ذکر کی بابت خاص ارشاد ہے (واذکروہ کما ھداکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین)[1] (اللہ کا ذکر کرو مگر اس طریق سے کرو جو طریق اس نے تم کو سکھایا ہے (اگرچہ) اس سے پہلے ابھی تم گمراہ تھے)۔

پس جس طرح اور جس طریق سے شریعت مطہرہ نے ہمیں ذکر کرنا سکھایا ہے اُسی طرح کریں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے ورنہ نہیں۔

قبور پر عرس وغیرہ کرنے سے تو صاف منع فرمایا ہے، فوت ہونے کے وقت آخری وصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی تھی: "لاتجعلوا قبری عیداً"[2] "لاتجعلوا قبری وثنا یعبد"[3] (میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔ میری قبر کو بُت کی مانند معبود نہ بنانا)۔

---

[1]..... سورہ بقرہ آیت ۱۹۸ [2]..... اس کو ابوداؤد نے کتاب المناسک (۲۰۴۰) میں، احمد نے (مسند ۲/۲۶۷) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

[3]..... اس کو امام مالک نے موطأ کتاب قصر الصلوٰۃ فی السفر (۱/۱۱۱) میں اور ان سے ابن سعد نے طبقات (۲/۲۴۰۔۲۴۱) میں اور أحمد نے مسند (۲/۲۴۶) میں عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کیا ہے لیکن ان کا لفظ ہے "اللھم لاتجعل قبری وثنا یعبد."

Www.IslamicBooks.Website

یہی وجہ ہے کہ حامیان عرس ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتلا سکتے کہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ کے انتقال کے بعد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے باوجود اس محبت خالصہ کے جس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) تو کیا ہزارواں حصہ بھی حامیان عرس کو ان بزرگوں کے نہ ہوگا جن کی قبروں پر عرس کرتے ہیں، کبھی ایک دفعہ بھی مزار مقدس پر عرس کیا ہو، پھر ہمارے لئے کیسی غور کی بات ہے کہ جو کام نہ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حق میں فرمایا ہو، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاملہ کیا ہو وہ ہم اولیاء اللہ اور ان کے مزاروں سے کریں یہ تو ابھی سرسری نظر محض عرس کے اجتماع اور اژدہام پر ہے، اور اگر وہاں کے تفصیلی حالات دیکھے یا سنے جائیں تو یوں معلوم ہوگا کہ مکہ شریف زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً میں جس خرابی کی اصلاح کے لئے اللہ نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا وہ اس خرابی سے زائد نہ ہوگی۔ عموماً قبروں پر طواف کئے جاتے ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، سجدے اور رکوع قبروں پر کئے جاتے ہیں۔

خاکسار راقم کو اپنا چشم دید واقعہ یاد ہے کہ میں ایک دفعہ ایام طالب علمی میں بغرض تحقیق اس امر کے روڑکی پیران کلیر کے مزار پر گیا، مزار کے گنبد کے اندر جاتے ہی میں نے ایک شخص کو سربسجود دیکھا دل میں بہت گھبرایا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے، دریافت کیا تو جواب ملا کہ یہ شخص چراغ جلانے کے لئے ہر روز اسی طرح اجازت لیا کرتا ہے، میں نے کہا سبحان اللہ عذر گناہ بدتر از گناہ، اتنے میں نماز مغرب کی اذان ہوئی، بعد نماز تمام خدام نے مزار کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا پھر ایک ایک پھیرے کے بعد ایک موقع پر پہونچ کر سب رکوع کرتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے سات طواف پورے کئے، میں امام صاحب کی تاک میں تھا وہ ایک خاص مقام پر دوزانو بیٹھے ہوئے تھے بعد کچھ مدت کے انہوں نے قبر کی طرف سجدہ کر دیا، میں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنی نماز کا تو اعادہ کیا اور غضب الٰہی کے خوف سے راتوں رات

Www.IslamicBooks.Website

وہاں سے بھاگا، میرے اس بیان میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں، کمی ہوتو ہو، جس کسی کو شبہہ ہو وہ ایسے مزاروں پر عرس کے دنوں میں خود جا کر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

علاوہ اس کے قبروں کی عالیشان عمارتیں، ان کے غلاف، جھاڑ، قندیل وغیرہ سامان عشرت کے کیا کہنے، حالانکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خاص اسی کام کے لئے مامور فرمایا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم [۱] کی روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو اونچی قبر دیکھے اس کو برابر کر دے، جو تصویر دیکھے اس کو مٹا دے۔

فقہائے حنفیہ نے بھی ایسی عمارات کو سخت ناپسند کیا ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ''مالابد'' میں فرماتے ہیں ''آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنا میکنند و چراغاں روشن می کنند وازیں قبیل ہر چہ می کنند حرام است یا مکروہ'' [۲]

اسی طرح تمام فقہائے حنفیہ نے اس پر ناراضگی فرمائی ہے ''من شاء فلیرجع الیٰ کتبھم'' [۳]

اہلحدیث کے اس بیان کے مقابل حامیان عرس وغیرہ آیت وحدیث تو کیا ہی پیش کریں گے ولن یفعلوا (اور وہ ہرگز یہ نہیں کر سکتے)، البتہ کسی نہ کسی غیر مستند صوفی یا ملا کے اقوال وافعال کا ذکر کریں تو ممکن ہے لیکن اہل حدیث ونیز کل علماء راسخین کے نزدیک ایسے استدلالات کے جوابات وہی ہیں جو شیخ سعدی مرحوم نے ایک بیت میں ادا کر دیئے ہیں ؎

آنکس کہ بقرآن خبر زو نہ رہی اینست جوابش کہ جوابش نہ دہی [۴]

---

[۱]..... دیکھئے صحیح مسلم کتاب الجنائز (۳/۶۱) [۲]..... جو کچھ اولیاء کی قبروں پر لوگ بلند وبالا عمارتیں تعمیر کرتے ہیں اور چراغاں روشن کرتے ہیں اور اس طرح کے جو کام بھی انجام دیتے ہیں یہ سب حرام یا مکروہ ہیں۔ [۳]..... جو چاہے وہ ان کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

[۴]..... جس نے قرآن سے خبر دیا تو اسے نہ چھوڑا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا جواب نہ دے یعنی اس میں چون وچرا کئے بغیر اسے تسلیم کر۔

Www.IslamicBooks.Website

اہلحدیث کی یہی باتیں اور دلیلیں ہیں جن سے لاجواب ہوکر ہمارے بھائیوں کی طرف سے اُن کے حق میں منکرین اولیاء کے القاب بخشے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اُن کو بزرگوں سے بے اعتقادی ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسی بے اعتقادی کے مقابلہ پر حامیانِ بدعت کی حسن اعتقادی بجوئے نیرزد (کوڑی کے کام کی نہیں)۔

(۱۰) نذر لغیر اللہ

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ جو چیز غیر اللہ کے لئے نذر کی جائے وہ حرام ہے اس مسئلہ میں چونکہ اہلحدیث اپنے بھائیوں سے منفرد نہیں بلکہ حنفیہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے، فرق صرف تھوڑا سا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، اس لئے ہم یہاں پر نذر لغیر اللہ کے معنی اور تفصیل علماء دہلی کی عبارات میں بتلاتے ہیں، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں زیر آیت (وما اهل لغير الله)[1] فرماتے ہیں مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق اس جانور میں واسطے غیر خدا کے خواہ تو وہ غیر بت ہو یا روح خبیث جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں اور خواہ کسی جن کے نام، خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقررہ کردیں کہ یہ سب حرام ہیں اور حدیث شریف [2] میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے اور وقت ذبح کے خدا کا نام لے یا نہ لے اس واسطے کہ جب شہرت کردی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ جانور

---

[1]..... سورہ مائدہ آیت ۳

[2]..... یہ حدیث حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو مسلم نے کتاب الأضاحی (۸۴/۶) میں، نسائی نے کتاب الضحایا (۴۴۲۲) میں اور أحمد نے مسند (۱۰۸/۱، ۱۱۸، ۱۵۲، ۲۱۷، ۳۰۹، ۳۱۷) میں روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

منسوب بغیر خدا ہو گیا اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے اس واسطے کہ مُردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا ہے اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب کہ یہ خبث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کر سکتا جیسے کہ کتا اور سور کہ نام خدا لے کر بھی ذبح کئے جائیں حلال نہ ہوں گے، پھر اس شبہہ کا جواب دیا ہے جو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ (وما اھل لغیر اللہ بہ) کے معنی ہیں کہ جو چیز غیر خدا کے نام سے ذبح کی جائے اس کے ذبح کرنے پر غیر خدا کا نام لیا جائے، چنانچہ فرماتے ہیں اُھِلَّ کو ذُبِح پر حمل کرنا خلاف لغت عرب اور عرف ہے اہلال لغت عرب اور عرف اس ملک میں بمعنی ذبح کے نہیں آیا، کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب (میں) بمعنی آواز اور شہرت دینے کے ہے جیسے آواز طفل نو اور شہرت چاند اور بمعنی آواز حج، اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے اگر کوئی کہے أھللت للہ ہرگز بمعنی ذبحت للہ نہ سمجھا جائے گا۔

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور ارادہ ذبح سے تقرب الی غیر اللہ رکھے تو وہ آدمی مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام ہے۔

مولانا نواب قطب الدین صاحب مرحوم نے مظاہر الحق جلد سوم باب الایمان والنذور میں اس سے بھی کسی قدر وضاحت سے لکھا ہے فرماتے ہیں: حاصل یہ کہ جو کچھ لوگ نذر بزرگوں کی از راہ نزدیکی حاصل کرنے کے ان سے یا اوپر برآنے ایک کام کے متعلق کر کے کرتے ہیں بموجب روایات مرقومۃ الصدر [1] کے وہ نذر ناجائز اور کھانا اس کا ناروا ہے اور جو کچھ کہ نیاز ان کی نہ بطور نزدیکی حاصل کرنے کے ان

---

[1]..... نواب صاحب نے اس بیان سے پہلے کئی ایک روایات فقہ حنفیہ سے نقل کی ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں (منہ)۔

Www.IslamicBooks.Website

سے اور نہ متعلق ساتھ کسی کام کے کرتے ہیں بلکہ اوّل اس چیز کو از راہ نزدیکی حاصل کرنے کے اللہ تعالیٰ سے دیتے ہیں اور ثواب اس کا کسی بزرگ کو بخشتے ہیں کھانا اس کا اغنیاء کو درصورتیکہ نیت پہونچانے ثواب صدقہ ماکولی کی کسی بزرگ کو ہو جائز نہیں.

پس جو کچھ ان دونوں بزرگوں کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے وہی اہلحدیث کا مذہب ہے یعنی ان صدقات ونذرات کا دینے والا اگر اس خیال سے دیتا ہے کہ یہ بزرگ مجھے کچھ فائدہ پہونچائیں گے یا میری کوئی بلا ٹال دیں گے تو ایسے صدقات کا کھانا حرام ہے اور اگر ان صدقات کو قبول کرنے والا اللہ کو سمجھے اور یہ نیت کرے کہ میں یہ کام فلاں بزرگ کی طرف سے کرتا ہوں تا کہ اس کا ثواب اس بزرگ کو پہونچے تو یہ جائز ہے۔

یہاں تک تو ہمارے بھائیوں کا اور ہمارا اتفاق ہے لیکن تنقیح طلب بات صرف یہ ہے کہ آج کل جو صدقات وخیرات اس قسم کے دیئے جاتے ہیں جن میں بزرگوں کا نام آتا ہے آیا وہ قسم اول سے ہیں یا دوم سے؟ پھر بعد تحقیق قرائن سے جو کچھ معلوم ہوگا فریقین کا اسی پر عمل ہوگا۔ اہلحدیث کی تحقیق میں (جو بالکل قرائن صحیحہ بلکہ دلائل قویہ پر مبنی ہے) کچھ شک نہیں کہ ایسے صدقات دینے والوں کی نیت عموماً یہی ہوتی ہے کہ یہ بزرگ ان کو قبول کر کے ہمیں کوئی فائدہ پہونچا دیں گے یا ہم سے بلا ٹال دیں گے اس کی قوی دلیل اور نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے صدقات اور خیرات دیتے وقت عموماً ایسے ختمات پڑھتے ہیں جن میں صاف اور صریح لفظوں میں اُن بزرگوں سے دعائیں اور التجائیں کی جاتی ہیں چنانچہ ان میں سے بعض الفاظ یہ ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

''ختم حضرت علیہ السلام''

شیئاللہ[1] یا حضرت سید العرب والعجم مشکل کشا بالخیر فریادرس یا حضرت احمد

[1]...... شیئاللہ کے معنی ہیں اے حضرت اللہ کے لئے کچھ دیجئے، قطع نظر اس اجمال بلکہ اہمال کے کہ اس سوال سے کوئی معقول امر مفہوم نہیں ہوتا یعنی نہیں سمجھا جاتا کہ سائل کیا چیز مانگتا ہے اس لفظ کی بابت درمختار باب المرتد میں لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کو کلمۂ کفر لکھا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہتک ہے علاوہ اس کے یہ حکم بھی صرف اس صورت میں ہے کہ زندہ سے سوال ہو لیکن جس صورت میں مخاطب فوت ہو جو سنتا بھی نہیں اس سے ایسا سوال کرنا تو دو وجہ سے کفر ہوگا ایک وہ وجہ جو صاحب درمختار کی مراد ہے دوسری وجہ جو اللہ نے فرمائی ہے یعنی (ان الذین تدعون من دون الله عباد أمثالكم ان تدعوهم لايسمعوا دعائكم ولو سمعوا مااستجابوا لكم).

(سورہ اعراف ۱۹۴) یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں سے تم دعا کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح کے آدمی ہیں اگر تم ان سے دعا کرو تو وہ تمہاری دعا بھی نہیں سن سکتے ہیں اور اگر سنیں تو قبول نہیں کر سکتے۔

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک حرف ہی کافی ہے) ایسے ختمات کے ناجائز بلکہ کفر اور شرک ہونے پر محققین علماء حنفیہ، اہلحدیث سے متفق ہیں، چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور علماء دیوبند کا فتویٰ اس جگہ ہم درج کرتے ہیں جو یہ ہے:۔

السوال:...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ کہ کسی بزرگ سے امداد طلب کرنا مثلاً وظیفہ پڑھنا۔

امداد کن، امداد کن از بند غم آزاد کن　　　　در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

یا کسی ولی کو مخاطب کر کے شیئاللہ پڑھنا مثلاً یوں کہنا شیئاللہ چوں گدائے مستمند۔ المدد خواہم زخواجہ نقشبند۔ یا یوں کہنا شیئاللہ چوں گدائے دل حزیں۔ المدد خواہم زشاہ نوردیں، یا یوں کہنا خُذْ یدی یا شاہ جیلانی خذ یدی شیئاللہ انت نور احمد وغیرہ ہمچو قسم وظائف اور ختمات پڑھنے جائز ہیں یا منع؟ بینوا توجروا......

الجواب:...... اس قسم کے ورد، وظائف اگر ان بزرگوں کو حاضر ناظر جان کر اور قادر و متصرف اعتقاد کر کے پڑھے جائیں تو صریح کفر اور محض شرک ہیں اور اگر اس اعتقاد سے نہ پڑھے جائیں صرف ان الفاظ وکلمات کی تاثیر وخاصیت کا اعتقاد ہو تب بھی گناہ ہے واللہ اعلم (بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ).

Www.IslamicBooks.Website

ختم حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ

خُذْ بیدی یا شاہ جیلان خذ بیدی شیئاً للّٰہ اَنت نور احمد، خذ بیدی شیئاً للّٰہ یاحضرت سلطان شیخ عبدالقادر جیلانی محی الدین مشکل کشا بالخیر، امداد کن، امداد کن، از بند غم آزاد کن، در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر۔ [1]

ختم حضرت نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

شیئاً للّٰہ چوں گدائے مستمند　　المدد خواہم زخواجہ نقشبند [2]

ختم حضرت مخدوم صاحب کشمیری

سلطان مرا خرم کند سلطان مرا بے غم کند　　سلطاں برآرد کار ما سلطاں بداند حالِ ما

آسان کند دشوار ما　　یا شیخ حمزہ پیر ما [3]

الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ (مولانا محمود الحسن صاحب مدرس اعلیٰ دیوبند)، الجواب صحیح بندہ مسکین محمد یٰسین مدرس مدرسہ دیوبند، الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ، الجواب صحیح بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند، الجواب صحیح احقر الزمان گل محمد خان عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند۔ (۱۲ منہ).

[1]...... میری دستگیری کر اے شاہ جیلان میری دستگیری کر اللہ کے واسطے مجھے کچھ عطا کر تو احمد کا نور ہے میری دستگیری کر اللہ کے لئے مجھے کچھ عنایت کر اے حضرت سلطان شیخ عبدالقادر جیلانی دین کو زندہ کرنے والے، خیر کے ساتھ مشکل کشا، مدد کر، مدد کر، مجھے غم کی قید سے آزاد کر اور دین و دنیا میں مجھے شادکام بنا، اے شیخ عبدالقادر۔

[2]...... ضرورتمند فقیر کی طرح اللہ کے واسطے مجھے کچھ عطا کر میں خواجہ نقشبند سے مدد کا طلبگار ہوں۔

[3]...... بادشاہ مجھے خوش کرتا ہے، بادشاہ مجھ کو بے غم کرتا ہے، بادشاہ میرا کام بنا دیتا ہے سلطان

Www.IslamicBooks.Website

ختم حضرت شیخ نورالدین مرحوم کشمیری

شیئاً للہ چوں گدائے دل حزیں   المدد خواہم زشاہ نور دیں [۱]

ختم حضرت امیر کبیر مرحوم کشمیری

شیئاً للہ یا حضرت شہنشاہ ولی علی ثانی المدد [۲]

ان کے علاوہ کئی ایک قسم کے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ سے اظہار مدعا کیا جاتا ہے ناظرین مشتے نمونہ ازخروارے [۳] ان ہی کو سمجھیں، یہ الفاظ اس بات کی صاف دلیل ہیں کہ ان قائلوں (کہنے والوں) کا خیال ہے کہ ان بزرگوں کو نفع ونقصان رسانی پر قدرت ہے، پس یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ایسے صدقات دینے سے اُن کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ یہ بزرگ ہماری حاجت روائی کردیں گے چنانچہ الفاظ مذکورہ بالا کا صریح مضمون ہے گوان ختمات میں اللہ کا ذکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی پڑھتے ہیں مگر صرف درود پڑھنے سے اس نیت کا عدم نہیں ہوسکتا کیونکہ "انما الأعمال بالنیات وانما کل امرء مانوی" [۴] یعنی ہر کام کا بدلہ نیت پر ہے اور ہر آدمی کیلئے وہی ہے جو اس نے نیت کی پس جب کہ فاعلین کی نیت

ہمارے حال کو جانتا ہے، ہماری مشکل کو آسان کرتا ہے، اے ہمارے پیر شیخ حمزہ۔

[۱]...... غمگین فقیر جیسے کو کچھ اللہ کے واسطے عنایت کر میں شاہ نورالدین سے مدد چاہتا ہوں۔

[۲]...... اللہ کے واسطے کچھ عطا کر اے حضرت شہنشاہ ولی علی ثانی مدد کر۔

[۳]...... یہ ایک مثل ہے جس کا معنی ہے کہ تھوڑے سے نمونہ سے کل چیز کی اصلیت معلوم ہوجاتی ہے۔ (فیروز اللغات ص ۶۳۵)

[۴]...... یہ متفق علیہ روایت ہے اس کو بخاری نے کتاب الایمان (حدیث نمبر ۱) میں اور مسلم نے اپنی صحیح (۱۹۰۷) میں روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

صاف اور صریح لفظ سے ظاہر ہو رہی ہے تو اب کسی ملا یا مولوی کی اصلاح کہاں چل سکتی ہے؟ بلکہ تأویل الکلام بمالایرضی به قائله [۱] کی مصداق ہے۔ افسوس ہے کہ بعض بھائی صرف اس خیال سے کہ ایک تو اس قسم کی دعوتوں سے محروم رہیں گے نیز ان کے چھوڑنے سے لوگوں میں وہابی مشہور ہو جائیں گے باوجود ایسے کلمات کو ناجائز اور ایسے کھانوں کو حرام جاننے کے پرہیز نہیں کرتے حالانکہ قرآن شریف ایسی استمدادوں کا صریح رد کرتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ ایسی استمدادوں ہی کے رد کرنے کو قرآن مجید نازل ہوا تھا جو اس قسم کے کھانوں کو کھلے لفظوں میں حرام بتلاتا ہے اور تمام ائمۂ دین اور علمائے حنفیہ کرام ان کی حرمت کے قائل ہیں مگر ہمارے حنفی بھائیوں کا یہ طریق ہے کہ ان کی مسجدوں میں ایک شخص تو سنت سمجھ کر آمین بالجہر کہہ دے اور دوسرا شخص بعد نماز گیارہ قدم مار کر حضرت پیر سے دعاء استمداد کرے جو صریح شرک ہے تو بیچارے آمین کہنے والے کی گت ہو جائے گی مگر دوسرے کو کسی کی مجال نہیں کہ کچھ کہے، حالانکہ آمین بالجہر حنفی مذہب میں سنت نہیں تو حرام یا مفسد صلوٰۃ (نماز کو باطل کرنے والی) بھی نہیں خاص کر دوسرے شخص کے حق میں تو کچھ حرج بھی نہیں، اکثر مجتہدین اور ائمہ حدیث اس کی سُنّیت کے قائل ہیں اور مخلوق سے دعا کرنی اور پھر مسجد میں بیٹھ کر کرنی صریح قرآن کے خلاف ہے قرآن میں صاف حکم ہے کہ (وأن المساجد لله فلاتدعوا مع الله احداً). [۲] یعنی مسجدیں اللہ کے ذکر کے لئے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارا کرو۔

یہ ہے دونوں کا حکم، اور یہ ہے ہمارے بھائیوں کا طریق عمل، الی اللہ المشتکی

---

[۱]...... کلام کی ایسی توضیح وتفسیر کرنا جس سے اس کلام کا کہنے والا راضی نہ ہو اور نہ اسے پسند کرے۔

[۲]...... سورہ جن آیت ۱۸

Www.IslamicBooks.Website

(۱۱) تقلید شخصی

عام رائے کے مطابق دین کے اصول چار ہیں[1] (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع امت (۴) قیاس مجتہد، سب سے مقدم قرآن شریف ہے پھر علی اسبیل المراتب (مراتب کے اعتبار سے)، قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لئے علم لغت، قواعد صرف ونحو، علم معانی، بیان اصول فقہ وغیرہ ذریعے ہیں جو مسئلہ قرآن وحدیث سے بطریق مذکور ہماری سمجھ ناقص میں نہ مل سکے تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہوگا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ مل سکے اُس میں کسی مجتہد کا قیاس (بشرائط اصول فقہ جن کا ذکر آگے آتا ہے) قابل عمل ہوگا۔

ناظرین! یہ ہے وہ مسلک جس کی وجہ سے فرقہ اہلحدیث کے نام وہابی، غیر مقلد، لامذہب، نجدی وغیرہ وغیرہ رکھے جاتے ہیں جس کا ہمیں کوئی افسوس نہیں کیونکہ جو خفگی اور ناراضگی کسی فریق پر بے سمجھی سے ہوتی ہے وہ درحقیقت اس پر نہیں بلکہ خفا ہونے والے کی اپنی ہی ناقص سمجھ پر ہوتی ہے ۔

کم من عائب قولاً صحیحا آفته من الفهم السقیم [2]

چونکہ یہ مسئلہ (تقلید) ہمارے اور ہمارے بھائیوں مقلدین میں حد فاصل ہے یعنی اسی مسئلہ پر دونوں گروہوں کی علیحدگی مبنی اور متفرع ہے اس لئے ہمارا خیال بلکہ حق تھا کہ ہم اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھتے مگر افسوس کہ اس مسئلہ کی بداہت اور ظہور ہمیں تطویل کلام سے مانع ہے تاہم اس دعویٰ پر کسی قدر قرآن وحدیث اور مسلمہ اصول علماء سے ثبوت دیا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے

۱..... پہلے لوگوں نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے وہ اجماع اور قیاس کو اصول شریعت میں نہیں جانتے تفصیل اس کی ہمارے رسالہ اجتہاد وتقلید میں ہے۔ ۱۲۔(منہ)

۲..... کئی لوگ صحیح بات پر اعتراض کردیتے ہیں جس میں ان کی ناقص سمجھ کا قصور ہوتا ہے ۱۲۔منہ

Www.IslamicBooks.Website

(اتبعوا ما أنزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء) ۱ یعنی اللہ فرماتا ہے مسلمانو! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم کو ملا ہے اسی کی تابعداری (موافقت) کرو اور اس کے سوا مذہبی امور میں کسی اور کی تابعداری (موافقت) نہ کرو۔

ایک مقام پر ارشاد ہے (قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله). ۲ یعنی ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان سے کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری (موافقت) کرو تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ان کے علاوہ سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ہیں جن میں حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ بس پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو۔

ایک حدیث احمد ۳ و بیہقی میں ارشاد ہے "لو كان موسىٰ حيا لما وسعه الا اتباعي" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری ہی تابعداری کرتے۔

ایک حدیث ۴ میں ارشاد ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی تابعداری کرنے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

چونکہ اصل اطاعت اور تابعداری اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی

۱..... سورہ اعراف آیت ۳ ۲..... سورہ آل عمران آیت ۳۱

۳..... اس کو دارمی نے اپنی مسند (۴۳۵) میں، ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ (۲/۵) میں، احمد نے مسند (۳/۳۸۷) میں، ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۱۰۳۰) میں اور بیہقی نے شعب الایمان (۱۷۵) میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، علامہ البانی نے اس کو شواہد کی بنا پر حسن کہا ہے۔ دیکھئے (ارواء الغلیل ۱۵۸۹)۔

۴..... اس کو بیہقی نے شعب الایمان حدیث نمبر (۵۲۰۱) میں عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

فرض کی ہے اس لئے علماء کو اجماع اور قیاس کے حجت ماننے میں شبہات پیدا ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض تو ان دونوں کی حجیت سے انکاری ہی ہو گئے اور بعض جو قائل ہیں انہوں نے اس کی وجہ بتلائی کہ اجماع بھی وہی صحیح ہوگا جس کی بنا اور مدار کسی حدیث پر ہو، اور قیاس مجتہد بھی وہی صحیح ہوگا جو کسی آیت یا حدیث کے مخالف نہ ہو بلکہ اسی سے مستنبط ہو، اس لئے کل علماء اصول قاطبۃً (پورے طور پر) شرائط قیاس میں یہی لکھا کرتے ہیں کہ **أن يتعدى الحكم الشرعي الثابت بالنص بعينه الى فرع هو نظيره ولا نص فيه** یعنی قیاس کی شرط یہ ہے کہ حکم شرعی جو نص سے ثابت ہے بعینہ فرع و مقیس کی طرف پہونچے جو اصل (مقیس علیہ) کی مثل ہو اور اس میں کوئی دوسری نص نہ ہو۔

(دیکھو اصول شاشی، حسامی، نور الانوار، توضیح، تلویح، مسلم الثبوت)

ان حوالہ جات کتب اصول سے جو امر مستنبط اور مفہوم ہوتا ہے بس وہی ہمارا مذہب ہے یعنی جس مسئلہ میں آیت یا حدیث ہوگی اس میں مجتہد قیاس نہ کرے گا اور جس مجتہد کا قیاس کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ ہوگا اُسی پر عمل کریں گے اس لئے کہ کسی مجتہد کو بنفسہ منصب شریعت حاصل نہیں، یعنی وہ ایجاد حکم نہیں کر سکتا بلکہ مجتہد کا منصب صرف یہی ہے کہ آیت یا حدیث کے ایک مخفی راز کو جو عوام کی سمجھ میں نہ آئے ظاہر کر دے۔

اس کی مثال چاہیں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (**كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر**)[1] یعنی صبح کی دھاری نکلنے تک روزوں کی راتوں میں کھا پی سکتے ہو۔ اس آیت کا صریح اور صاف مضمون جو ہے وہ تو ظاہر ہے کہ صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔

[1]..... تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ (صبح صادق) سیاہ دھاگے (فجر کاذب) سے ظاہر ہو جائے۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۷

Www.IslamicBooks.Website

مجتہد نے اس میں اجتہاد کر کے یہ مسئلہ نکالا کہ صبح ہوتے وقت اگر آدمی جنبی ہو تو روزہ میں کوئی خلل نہیں ہوگا کیونکہ جب صبح صادق کے ظاہر ہونے تک کھانے پینے اور ایسے ہی جماع کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو صبح صادق کی پہلی آن میں جب اس حکم کے مطابق آدمی جماع سے الگ ہوگا تو ضرور جنبی ہوگا کیونکہ اتنا وقت اس کو کہاں ملا کہ صبح صادق تک غسل کرے اس لئے کہ جماع ہی صبح کے ہونے پر چھوڑا ہے پس ثابت ہوا کہ رات کے جماع سے صبح تک جنبی رہنا روزے میں نقصان نہیں لاتا۔

یہ ہے مثال اجتہاد کی، اس میں مجتہد نے اپنی طرف سے کوئی بات داخل نہیں کی بلکہ ایک مخفی حکم کو واضح کر دیا ہے جو عوام کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا، علماء اصول بھی قیاس کو اسی لئے صرف مُظہر [1] مانتے ہیں یعنی ایک مخفی مسئلہ کو ظاہر کر دینے والا اور بس، پس جب مجتہد کو اصل منصب شریعت نہیں تو پھر اس میں کیا شک ہوسکتا ہے کہ مجتہد کے قول میں غلطی کا احتمال بھی ہے، چنانچہ علماء اصول کا عام اصول ہے کہ "المجتهد [2] قد يصيب ويُخطئ" (یعنی مجتہد کبھی اجتہاد کرنے میں مطلب صاف پا جاتا ہے اور کبھی غلطی کر جاتا ہے) چنانچہ ائمہ مجتہدین کا اجتہادی مسائل میں اختلاف اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔

پس مجتہدین کی رایوں میں اختلاف ہوا اور یہ بھی اہل تحقیق کے نزدیک مسلم امر ہے کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق بجانب ایک ہی ہے تو نتیجہ صاف ہے کہ مجتہد میں بنفسہ قابلیت متبوع بننے کی نہیں بلکہ بشرط موافقت ومطابقت اصل متبوع (یعنی قرآن وحدیث) کے۔

پس یہی ہمارا مذہب ہے کہ ہم بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کو

---

[1]..... دیکھئے نور الانوار ص ۲۲۴ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ (منہ)

[2]..... دیکھو ایضاً ص ۲۴۶ (منہ)

Www.IslamicBooks.Website

متبوع نہیں مانتے جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں کہ ہم کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہمارا عمل قرآن وحدیث پر ہے، جس مسئلہ کو ہم صحیح جانتے ہیں اس لئے جانتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، جس کو غلط جانتے ہیں اس لئے قرآن وحدیث اُس کے مؤید نہیں۔

چنانچہ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا ہے کہ **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** [۱] یعنی جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

نیز فرمایا **اترکوا قولی بخبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم** [۲] یعنی میرا قول پیغمبر علیہ السلام کی حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دیا کرو اسی وصیت کے مطابق امام صاحب کے شاگردوں نے ہمیشہ عمل کیا، یہی وجہ ہے کہ عموماً مسائل میں وہ استاذ سے مختلف ہیں اور اس اختلاف کو آج تک کسی نے بُری نظر سے نہیں دیکھا بلکہ متأخرین فقہاء بسا اوقات بلحاظ قوتِ دلیل شاگردوں کے اقوال کو مفتی بھا قرار دیتے ہیں جس کی تفصیل بتلانے کی حاجت نہیں، یہی تمام سلف وخلف کا مذہب تھا اور یہی اہل حدیث کا طریق ہے جن کو دل دُکھانے کے لئے وہابی یا غیر مقلد کہا جاتا ہے۔

ہاں اگر یہ سوال ہو کہ اس موافقت اور عدم موافقت کی پہچان کس کو ہے؟ اور کون بتلائے گا کہ یہ حکم مجتہد کا صحیح ہے اور وہ غلط ہے، آج کل کس کو یہ لیاقت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو علوم مذکورہ بالا (لغت، صرف ونحو، معانی، بیان، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول وغیرہ) سے واقفیت ہوگی وہ بتلا دے گا، جن عوام کالأنعام کو خبر نہیں وہ اپنے وقت کے موجودہ علماء سے دریافت کر کے عمل کرلیں گے کیونکہ ان کو یہی حکم ہے (**فاسئلوا أھل الذکر ان کنتم لاتعلمون**) [۳] یعنی اللہ فرماتا ہے اگر تم

۱.....شامی جلد ۱ صفحہ ۵۰، ایقاظ ھمم أولی الأبصار (ص ۵۱)۔

۲.....دیکھو القول المفید للشوکانی، ایقاظ ھمم أولی الأبصار (ص ۵۰)۔

۳.....سورہ نحل آیت ۴۳۔

Www.IslamicBooks.Website

نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔ پس وہ بیچارے عوام کالانعام جو علم سے بے بہرہ ہیں وہ ان ہی اپنے زمانہ کے علماء سے پوچھیں گے، نہ مجتہدین متقدمین سے، مجتہدین سے پوچھیں تو آخر ان سے بلاواسطہ کیسے پوچھ سکیں؟ اُن سے پوچھنا بھی یہی ہے کہ موجودہ علماء سے پوچھیں، پھر بعد پوچھنے کے چونکہ مجتہد کا قول بذاتہ بدون مطابقت حجت نہیں، علماء وقت سے اس قول کی مطابقت اور صحت دریافت کریں تو آخر سب کچھ علماء وقت کے بتلانے پر موقوف رہا اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ "العامی لامذهب له انمامذ هبه مذ هب مفتيه" یعنی عوام کا اپنا مستقل کوئی مذہب نہیں بلکہ ان کا مذہب وہی ہے جو اُن کے فتویٰ دینے والے کا ہے۔

(شامی جلد۳ص۱۹۶)

خلاصہ یہ کہ ہمارا بلکہ کل اہل اسلام کا یہی مذہب ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب شریعت کسی کو نہیں صحابی ہو یا مجتہد، تابعی ہو یا محدث، سب کے سب اس میں مساوی الاقدام (برابر) ہیں، سچ ہے۔

بابا کے ہاں سے کون لایا جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب و مقتدیٰ ہے وہ بھی اسی در کا اک گدا ہے

البتہ علم اور فہم میں ان کے مراتب مختلف ہیں جو باریک مسائل معمولی علم والوں کو سمجھ میں نہ آئیں وہ مجتہد سمجھ سکتے ہیں مگر ایجاد حکم کا منصب اُن کو نہیں، نیز یہ کہ امور منصوصہ میں اجتہاد کی ضرورت نہیں بلکہ جائز ہی نہیں، جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں اولاً نظر قرآن وحدیث پر ہو اور اگر قرآن یا حدیث سے کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو مجتہدین کے اقوال پر توجہ کی جائے جس مجتہد کا قول بقاعدۂ شرعیہ قرآن وحدیث اور علم اصول سے راجح معلوم ہو اس پر عمل کرلیا جائے، اس میں کسی کی خصوصیت یا لزوم نہیں، یہی مذہب تمام سلف وخلف کا ہے نہ اس میں کسی امام کی ہتک

Www.IslamicBooks.Website

ہے نہ معاذ اللہ کوئی سبّ وشتم ہے کیونکہ اگر کسی مجتہد کا قول چھوڑنے سے اس کی ہتک لازم آتی ہو تو کوئی فرقہ اس ہتک سے بری نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین باقی اماموں کے اقوال کو چھوڑتے ہیں جس سے سب کی ہتک ان کو لازم آئے گی، علیٰ ھٰذا القیاس (اسی انداز پر) باقی اماموں کے مقلد بھی اپنے اماموں کے سوا دوسرے اماموں کی ہتک کے مرتکب ہوں گے بلکہ اس سے بھی ذرا اوپر چڑھئے، ہم مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث بھی اس پر ناطق ہیں کہ بمقابلہ آیت یا حدیث نبوی کے انبیاء سابقین کی تعلیم متروک ہے تو کیا اس میں ہم سب کے سب مسلمان انبیاء علیہم السلام کی ہتک اور توہین کرتے ہیں؟ **لم یقل به أحد الامن سفه نفسه.** [1] پس اسی طرح اس صورت کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔

ایک بڑا شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ اہلحدیث اگر کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتے تو آخر محدثین کی کرتے ہیں، پس تقلید سے تو کوئی نہ چھوٹا، کسی نے مجتہد کی تقلید کی، تو کسی نے محدث کی مگر بغور دیکھا جائے تو ایسے شبہات پیش کرنے والے مذہب اہلحدیث سے واقف نہیں جس پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تو آشنائے حقیقت نئ خطا ایں جاست [2]

تقلید اور قبول روایت میں بہت بڑا فرق ہے، کوئی امام مجتہد یا محدث بلکہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی روایت سُنا دے اور وہ بقاعدۂ علم حدیث صحیح ثابت ہوجائے تو اس کا ماننا ضروری ہے، روایت کے قبول ہونے کیلئے مجتہد کا ہونا بھی ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ راویان حدیث میں بہت غیر مجتہد ہیں بلکہ علماء اصول حنفیہ نے تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی

---

[1]......اس بات کا کہنے والا محض بیوقوف ہی ہوسکتا ہے۔

[2]......تو اصل حقیقت سے ناآشنا ہے غلطی اسی جگہ پر ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ عنہ جیسوں کو صاف لفظوں میں غیر مجتہد لکھا ہے۔ (دیکھو نور الانوار، حسامی وغیرہ)

حالانکہ ان کی روایت سب کے نزدیک معتبر ہے وہی راوی جس کی حدیث کو بسر وچشم رکھا جاتا ہے اگر کوئی مسئلہ اپنے فہم اور اجتہاد سے بتلائے تو اس کی ہر طرح سے پڑتال ہوتی ہے، پہلی تو یہ کہ آیا یہ قائل مجتہد بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس نے یہ استنباط کس حدیث سے کیا ہے، پھر یہ اس کا استنباط کسی نص شریعت کے خلاف یا کسی ایسی جگہ تو نہیں جس میں نص موجود ہو وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر تقلید اور قبول روایت دونوں ایک ہی ہیں تو اتنا فرق کیوں ہے؟ ہم لوگ روایت تو ہر محدث اور مجتہد کی قبول کرتے ہیں مگر درایت یعنی مجتہد اور محدث کے فہم کے پابند نہیں الا انہی شرائط سے جو تمام علماء اصول نے لکھی ہیں اور اس میں ہم ہی منفرد نہیں تمام علماء سلف ہمارے ساتھ ہیں۔

علاوہ اس کے اگر قبول روایت میں تقلید ہے تو فیصلہ شد۔ کیونکہ اہلحدیث اور مقلدین کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ آیا ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے؟ مقلدین اس کے وجوب کے قائل ہیں اور اہلحدیث اس سے منکر ہیں، لیکن مقلدین نے عملی طور سے ثابت کر دیا کہ وہ بھی تقلید شخصی نہیں کرتے اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کے علاوہ وہ امام بخاری، مسلم، ترمذی، شافعی، مالک وغیرھم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات بھی تو مانتے اور قبول کرتے ہیں حالانکہ ان کے بقول قبول روایات اور تقلید میں کوئی فرق نہیں، چنانچہ اسی بنا پر وہ اہلحدیث کو ائمہ حدیث کے مقلد سمجھتے ہیں تو پھر تقلید شخصی کہاں رہی؟ بلکہ مقلدین نے بھی کئی ایک اماموں کی روایت قبول کر کے تقلید شخصی سے علیحدگی کا ثبوت دیا فافھم جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم ایسے معرکۃ الآراء پُر از غیظ وغضب مسئلہ سے حسب وعدہ والتزام بغیر کسی فریق یا شخص کی دل آزاری کے صاف نکل گئے ہیں تاہم اگر کوئی صاحب محض

Www.IslamicBooks.Website

اظہار مسئلہ سے کبیدہ خاطر ہوئے ہوں تو معاف فرمائیں۔
مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں۔

(۱۲) قراءۃ فاتحہ خلف الامام

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ امام اور مقتدی دونوں پر قراءتِ فاتحہ فرض ہے کیونکہ آیت قرآنی (فاقرء وا ماتیسر من القرآن) [۱] دونوں (امام ومقتدی) پر قراءت کا حکم لگاتی ہے چنانچہ نورالانوار میں ہے: فان الاول (أی آیة فاقرء وا) بعمومه یوجب القراءة علی المقتدی. (ص ۱۹۴، مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ) یعنی یہ آیت عموم کی وجہ سے مقتدی پر بھی قراءت فرض بتاتی ہے۔

ہاں اس پر یہ شبہہ باقی ہے کہ اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو عام قراءت ہے گو مقتدی پر بھی سہی، مگر فاتحہ کی تخصیص کا ذکر نہیں [۲]، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت موصوفہ مفروض کی تعیین میں مجمل ہے جس کا بیان حدیث نے کر کے مطلب کھول دیا ہے چنانچہ بخاری [۳] ومسلم کی متفقہ روایت میں ارشاد ہے" لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" یعنی جو کوئی سورہ فاتحہ نہ پڑھے

---

[۱]..... ترجمہ پڑھو قرآن سے جتنا میسر ہو، سورہ مزمل آیت ۲۰

[۲]..... سورۂ فاتحہ کی تخصیص کے لئے آیت ملاحظہ ہو (فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب) (سورہ ق آیت ۳۹) تسبیح کے معنی ہیں عبادت کرنا، نماز پڑھنا سبحان اللہ کہنا اور بحمد ربک نحوی ترکیب میں حال ہے ترجمہ یہ ہوا صل حامداً (جلالین) اس آیت میں نمازوں کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم) (تقریظ احمد)

[۳]..... اس کو بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الأذان (۷۵۶) میں اور جزء القراءۃ (ص ۳، ۴، ۵، ۶، ۲۶) میں اور مسلم نے اپنی صحیح (۲۹۵/۱) میں روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ مسلم [1] کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان معنی کی حدیث سن کر لوگوں نے کہا انا نکون وراء الامام یعنی ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اقرء بها فی نفسک (تو اس وقت بھی اس کو آہستہ آہستہ پڑھ لیا کرو)۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ان تمام مضامین میں حکم اور قول فیصل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عبادة بن الصامت قال كنا خلف النبی صلی الله علیه وسلم فی صلوٰة الفجر فقرأ فثقلت علیه القراءة فلما فرغ قال لعلكم تقرءون خلف امامكم قلنا نعم یارسول الله قال لاتفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لاصلوٰة لمن لم یقرأ بها" (سنن ابوداؤد، ترمذی، نسائی) [2]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک روز صبح کی نماز پڑھ رہے تھے پڑھتے پڑھتے آپ قراءت سے رُک گئے جب فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ تم امام کے پیچھے کچھ پڑھا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا ہاں حضرت! (ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے سبح اسم اونچی آواز سے پڑھی تھی۔ بیہقی) [3] فرمایا سوائے سورہ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز درست نہیں۔

اس روایت پر جو سوالات کئے جاتے ہیں ان سب کا جواب اسی روایت

---

[1]..... دیکھئے صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ (۹/۲) وسنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ (۸۱۶)۔

[2]..... اس کو ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ (حدیث نمبر ۸۱۸) میں، ترمذی نے اپنی سنن (۲۴۷) میں اور نسائی نے سنن صغری (۱۳۷/۲) میں مختصراً، احمد نے اپنی مسند (۳۱۶/۵) میں، بخاری نے جزء القراءۃ (ص ۱۸، ۶۳) میں روایت کیا ہے۔ (حسن)

[3]..... دیکھئے جزء القراءۃ خلف الامام (ص ۵۶)۔

Www.IslamicBooks.Website

کو دوسری سند سے دیکھنے سے مل سکتا ہے جو امام بیہقی نے ''کتاب القراءۃ خلف الامام'' میں اسی سند کے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام، وهذا اسناد صحيح. (ص ۴۷)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں (امام بیہقی کہتے ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے نہ صرف اس امر کی تصریح ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے (سورہ) فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے بلکہ یہ بھی کہ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ کا پڑھنا اُسی طرح ضروری ہے جیسا سِرّی میں، کیونکہ یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ اس مسئلہ میں اہلحدیث پر بڑا بھاری معارضہ ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی سے کیا جاتا ہے جس کا بیان مع مختصر جواب کے یہ ہے:

آیت موصوفہ یہ ہے **(اذاقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون)**۔ [1] یعنی اللہ فرماتا ہے جب قرآن پڑھا جاوے تو تم خاموش رہ

---

[1]..... سورہ اعراف آیت ۲۰۴، کلام عرب میں اِذَا کُلّیت کے لئے استعمال نہیں ہوتا، چنانچہ اذا حدث کذب الحدیث کے معنی یہ ہیں جو شخص عام طور پر اور اکثر جھوٹ بولے اور وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت کرے وہ عملی منافق ہے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اِذَا، اِذْ، لَوْ اور اِنْ وغیرہ شرطیات میں حاضر کُلی نہیں ہوتے بلکہ اہمال کیلئے آتے ہیں لہذا ''اذا قرئ القرآن'' قضیہ مہملہ ہوا اور مہملہ کی قوت جزئیہ کی ہے، تہذیب میں ہے تلازم الجزئیۃ، لہٰذا اس سے بعض اوقات ضرور خارج ہیں، ان ہی اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو سورہ فاتحہ کا

Www.IslamicBooks.Website

کرسنا کروتا کہ تم پر رحم ہو۔

چونکہ جہری نماز میں امام بلند آواز سے پڑھتا ہے تو اس آیت کے بموجب مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔ اور حدیث میں ہے کہ "من کان له امام فقراءة الامام له قراءة" یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہو اس کے امام کی قراءت بس اس کی قراءت ہے۔ پھر مقتدی کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ آیت کے خلاف باوجود قرآن سنے جانے کے خاموش رہنے کے بجائے پڑھنے سے حکم الٰہی کا خلاف کرے۔ یہ ہے معارضہ کی مختصر تقریر۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس حالت میں قرآن بطور وعظ ونصیحت کے پڑھا جاوے اس وقت تم دل لگا کر سنو اور خاموش رہو کیونکہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر مذکور ہے (لاتسمعوا لهذاالقرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون)۔ [1] یعنی مشرک اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ قرآن نہ سنا کرو بلکہ اس کے پڑھے جانے میں شور وشغب کیا کروتا کہ تم اس کی آواز پر غالب آجاؤ۔ جس کے جواب میں یہ ارشاد بارئی پہونچا کہ جب قرآن کا وعظ تم کو سنایا جائے تو تم خاموش

پڑھنا فرض فرمادیا ہے۔

اس کی نقلی دلیل کہ یہ قضیہ مہملہ ہے آیت ذیل ہے سورہ مائدہ میں ہے (یا ایها الذین آمنوا اذاقمتم الی الصلوٰة فاغسلوا) الآیۃ (آیت نمبر ۶) اس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ نمازوں کو کھڑے ہونے سے پہلے وضو کرلیا کرو، اس آیت سے ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا اور تازہ وضو کرنا فرض ہے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں خود پڑھیں، اور ہم کو بھی اس کی اجازت دی، یہ مسئلہ شیعہ، سنی اور مقلد وغیر مقلد سب کا متفقہ ہے۔

جب اس آیت سے بعض اوقات خارج ہیں تو اذا قرئ الآیۃ سے بھی بعض اوقات ضرور خارج ہیں۔ واللہ اعلم (تقریظ احمد)۔

[1] .....سورہ فصلت آیت ۲۶

Www.IslamicBooks.Website

ہو کر سنا کرو، ان معنی کا ثبوت خود حنفیہ کرام کی کتابوں سے ملتا ہے۔ ہدایہ [1] میں صاف لکھا ہے کہ صبح کی جماعت ہوتے ہوئے مقتدی صبح کی سنتیں مسجد کے دروازہ پر پڑھ لیا کرے [2]، حالانکہ امام کے پڑھنے کی آواز اس کے کانوں تک آئے گی، علاوہ اس کے درسگاہوں میں ایک کے پڑھتے ہوئے دوسرا بھی پڑھتا ہے اور خاموش نہیں ہوتا، اور نہ اس سے کوئی عالم منع کرتا ہے (اذا قرئ القرآن) صادق آتا ہے، نیز امام کے پڑھتے ہوئے مقتدی مسبوق آکر ملتا ہے تو تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتا ہے حالانکہ قرآن کے پڑھے جانے کے وقت بالکل خاموشی چاہئے، جو اللہ اکبر کہنے سے کسی قدر فوت ہوگئی پس ان اور ان جیسی کئی ایک مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت موصوفہ کے وہی معنی صحیح ہیں جو ہم نے بتلائے ہیں یعنی جس وقت قرآن بطور وعظ و نصیحت کے پڑھا جائے تو دل لگا کر سنا کرو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں قرآن کا پڑھنا بطور ذکر ہے، نہ کہ بطور وعظ و تذکیر، یہی وجہ ہے کہ جماعت میں خواہ تمام مقتدی جاہل ہوں جو قرآن مجید کا ایک حرف نہ سمجھتے ہوں تو بھی ان کی نماز درست ہے اور کسی کے نزدیک بھی امام کو اپنی قراءت کا ترجمہ کر کے سمجھانا ضروری نہیں، پس مدعا صاف ہے کہ امام بحالت امامت قرآن شریف بطور ذکر پڑھتا ہے نہ بطور وعظ، ایسے وقت میں مقتدی کو (سورہ) فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح منع نہیں، خاص کر سرّی نمازوں (ظہر و عصر وغیرہ) میں تو کسی طرح ممانعت نہیں۔

---

[1]..... دیکھئے ہدایہ (۱/۱۳۲)

[2]..... فرض نماز کے وقت سنت وغیرہ کا پڑھنا بھی جیسا کہ فقہ حنفی میں ہے حدیث نبوی کے خلاف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے "اذا أقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ" صحیح مسلم (۲/۱۵۴) یعنی جب فرض نماز قائم کی جائے تو اس وقت موجودہ فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز خواہ سنت ہو یا نفل پڑھنا درست نہیں، فافہم وتدبر. (ض۔ح۔س)

Www.IslamicBooks.Website

رہا حدیث مذکورہ "من کان له امام الخ" [1] کی بابت سو یہ حدیث صحیح نہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزء القراءۃ میں کہا ہے لم یثبت (ثابت نہیں)، دوسرے محدثین نے بھی قریب قریب اسی کے حکم لگا گئے ہیں۔ ہدایہ کی تخریج میں حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ نے بھی اس کی تصحیح نہیں کی، اس لئے وہ احادیث صحیحہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور برتقدیر ثبوت بھی وجوب فاتحہ کے منافی نہیں، کیونکہ اس میں جو قراءت کا لفظ ہے اُس سے سوائے (سورہ) فاتحہ کے باقی قراءت قرآن مراد ہے، اس لئے کہ کتب اصول میں صاف لکھا ہے کہ عام اور خاص میں مقابلہ کے وقت عام اتنے حصے میں مخصوص ہوجائے گا جتنے حصے کو عام اور خاص دونوں شامل ہیں۔ نورالانوار میں ہے " اذا أوصٰی بخاتم للانسان ثم بالفص منه للآخر ان الحلقة للأول والفص بينهما بخلاف ما اذا أوصیٰ بالفص بكلام موصول فانه يكون بياناً لان المراد بالخاتم فيما سبق

---

[1]..... اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن (۱/۲۷) میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۷/۳۳۴) میں، دارقطنی نے سنن (۱/۳۳۱) میں، طحاوی نے شرح معانی الآثار (۱/۲۱۷) میں، عبد بن حمید نے المنتخب (ص ۳۲۰) میں، ابن عدی نے الکامل (۲/۵۴۲) میں، بیہقی نے جزء القراءۃ خلف الامام (ص ۱۵۵) میں، ابن الجوزی نے کتاب التحقیق (۱/۲۱۷) میں، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ بوصیری نے زوائد ابن ماجہ (۱/۲۹۵) میں بیان کیا کہ یہ سند ضعیف ہے، جابر بن یزید جعفی متہم ہے، اور علامہ زیلعی نے نصب الرایہ (۲/۱۰) میں اس حدیث کو بیان کیا پھر کہا کہ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اس میں راوی جابر بن یزید جعفی کو محدثین نے ضعیف قرار دینے پر اتفاق کیا ہے، اور اسی راوی کے ضعیف ہونے کی بناء پر علامہ بیہقی نے قراءۃ خلف الامام (ص ۱۵۶) میں اس کو معلول قرار دیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث اس قدر ضعیف ہے کہ نا قابل استدلال اور نا قابلِ التفات ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

الحلقةفقط فتكون الحلقة للأول و الفص للثانی" [1]

(ص۶۹ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ)

چونکہ ادلۂ شرعیہ کے حکم میں تقدم وتأخر معلوم نہیں ہوسکتا اس لئے لامحالہ اتصال پرحمل ہوں گی، نتیجہ یہ ہوا کہ من کان لہ امام والی حدیث میں قراءت سے مراد سوائے (سورہ) فاتحہ کے ہے یہ معنی امام بیہقی وغیرہ نے بھی کیئے ہیں اور یہی راجح ہیں، جمعاً بین الادلۃ (تمام دلائل کے درمیان تطبیق کے طور پر)۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے کہ مقتدی پر (سورہ) فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے، باقی میں امام کی قراءت کافی ہے اس سے کسی قدر با قاعدہ تفصیل سے دیکھنا ہوتو تفسیر ثنائی جلد دوم میں حاشیہ نمبر۴ ملاحظہ ہو۔

(۱۳) رفع الیدین

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانا مستحب ہے کیونکہ صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے: عن ابن عمر أن رسول اللهﷺصلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذاافتتح الصلوٰة واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسه من الرکوع رفعهما کذٰلک" [2] (متفق علیہ)

---

[1]...... جب کوئی شخص کسی انسان کے لئے انگوٹھی دینے کی وصیت کرے پھر دوسرے شخص کے لئے اس کے نگینہ دینے کی وصیت کرے تو انگوٹھی کا حلقہ پہلے کے لئے ہوگا اور اس کا نگینہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا برخلاف اس کے جب وہ کلام موصول کے ساتھ نگینہ کی وصیت کرے تو یہ اس کا بیان ہوگا کہ مذکورہ صورت میں انگوٹھی سے مراد صرف اس کا حلقہ ہوگا، پس انگوٹھی کا حلقہ پہلے شخص کیلئے ہوگا اور اس کا نگینہ دوسرے شخص کیلئے ہوگا۔

[2]...... اس کو بخاری نے کتاب الأذان (حدیث نمبر ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹) میں، اور جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ (ص۹) میں اور مسلم نے کتاب الصلوٰۃ (۲۹۲/۱) میں روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

(ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ (اپنے دونوں کندھے کے مقابل) اٹھاتے اور جب رکوع کیلئے تکبیر کہتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں، حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین عندالرکوع کیا مگر منسوخ کہتے ہیں، لہٰذا ہمیں زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں، اس لئے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعوی نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

اس دعویٰ پر حنفیوں کی سردفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اول اور ایک دوم درجہ ہے اول سردفتر حدیث روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جو سنن ترمذی میں موجود ہے جس کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں:

قال عبداللہ بن مسعود: ألا أصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی أول مرۃ. (سنن ترمذی) [1]

---

[1]..... اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ (۷۴۴) میں، ترمذی نے اپنی سنن کتاب الصلوٰۃ (۴۰/۲) میں، نسائی نے اپنی سنن صغری (۱۹۵/۲) میں، ابن حزم نے کتاب المحلی (۸۷/۴) میں روایت کیا ہے۔ اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے لیکن دیگر ائمہ محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ منذری نے المختصر (۳۶۸/۱) میں کہا کہ ابن المبارک نے کہا کہ یہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں ہے، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ ایک طویل حدیث کی مختصر ہے اور اس لفظ کے ساتھ یہ صحیح نہیں ہے، بزار اور دارقطنی نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، امام احمد بن حنبل اور ان کے استاذ یحی بن آدم نے اس کو ضعیف کہا ہے ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیث درحقیقت سب سے زیادہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی بہت سی ایسی علتیں ہیں جو اس کو باطل کرتی ہیں، علامہ محدث

Www.IslamicBooks.Website

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھ کر نہ بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انھوں نے نماز پڑھی تو سوائے اول مرتبہ کے رفع یدین نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہے جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع یدین نہ کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نسخ ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا، علاوہ اس کے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک امر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایات صحیحہ ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جائے حالانکہ وہ حدیث بقول عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث کے ثابت بھی نہیں، اگر بتحقیق امام ترمذی رحمہ اللہ حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتی خصوصاً جس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے تو دعویٰ نسخ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے غور سے سنئے:

محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ائمہ کرام کی جرحوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ مذکورہ تمام اقوال سے ثابت ہوا کہ ابن مسعود کی یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے اور اس جیسی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اور امام ترمذی کی تحسین کا اعتبار نہیں اس لئے کہ ان میں تساہل پایا جاتا ہے، مزید بیان کرتے ہیں کہ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث افتتاح کے علاوہ مقام میں رفع یدین کرنے کے نسخ پر دلیل نہیں بنے گی بلکہ یہ حدیث رفع یدین کے واجب نہ ہونے پر دلیل بنتی ہے، خلاصہ یہ کہ حدیث ابن مسعود سے استدلال کرنا کسی بھی طور پر درست نہیں ہے۔ دیکھئے تحفۃ الأحوذی (۲/۹۲۔۹۴)، عون المعبود (۲/۳۱۶۔۳۱۷) مرعاۃ المفاتیح للمحدث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۳/۸۲۔۸۵)۔

Www.IslamicBooks.Website

"عن أبی حمید الساعدی سمعته وهو فی عشرة من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یقول: أنا أعلمکم بصلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم الی أن قال ثم یقرأ ثم یکبر ویرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یرکع الی. ثم سلم قالوا صدقت هکذا کان یصلی (رواه ابوداؤد والدارمی والترمذی، وقال: هذا حدیث حسن صحیح).

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعویٰ کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں ان کے کہنے پر انھوں نے بتلائی یہاں تک کہ کہا پھر آپ قراءت کرتے پھر تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھے کے مقابل کرتے تھے پھر رکوع کرتے یہاں تک بیان کیا پھر سلام پھیرتے تھے ان دسوں صحابہ کرام نے تصدیق کی کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے (اس کو ابوداؤد، دارمی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔[1]

یہ روایت اور دس صحابہ کی تصدیق ملانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفع یدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ارکان خصوصاً قومہ، جلسہ، اعتدال وغیرہ (جن میں عموماً لوگ سستی کیا کرتے ہیں،

---

[1]..... اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب الصلوٰۃ (۷۲۶) میں، ترمذی نے ابواب الصلوٰۃ (۳۰۳، ۳۰۴) میں، ابن ماجہ نے اپنی سنن (۱/۲۸۰) میں، دارمی نے سنن (۱/۳۱۳) میں، أحمد نے مسند (۵/۴۲۴) میں، ابن الجارود نے المنتقی (ص۸۴) میں، امام بخاری نے جزء فی رفع الیدین (ص۵) میں، ابن حجر نے نتائج الافکار (۲/۱۲۱) میں روایت کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

چنانچہ حدیث [۱] مُسِیْئُی الصلوٰۃ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ارکانِ صلوٰۃ میں سُستی کرتے تھے ان) کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے نہ کہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر میں جو سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ سے ثابت ہو کسی ایک صحابی کے نہ کرنے سے نسخ ہوسکتا ہے تو یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق [۲] کرتے تھے، دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے چنانچہ صحیح مسلم [۳] میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے تو لامحالہ اس وقت جب کہ انھوں نے رفع یدین نہ کی ہوگی ،زانوؤں پر ہاتھ بھی نہ رکھے ہوں گے کیونکہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیئے کہ رکوع کے وقت زانوؤں پر ہاتھ رکھنے بھی منع ہوں۔ حالانکہ کسی کا مذہب نہیں، اور تو کسی کا کیا ہوتا خود حنفیہ کا بھی نہیں، بلکہ اگر اس قسم کی روایات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اول دفعہ کے رفع یدین نہیں کی تو بھی نسخ نہیں ہوسکتا کیونکہ سنت خاص کر مستحب امر کیلیئے دوام فعل ضروری نہیں ،دوام تو موجب وجوب ہے ،سنت یا مستحب تو یہی ہوتا ہے کہ فعل مرۃ وترک أخری (کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو) جس کو اہل معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیئے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ،

---

[۱]......اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الأذان (۷۹۳) میں ،مسلم نے کتاب الصلوٰۃ (۲۹۸/۱) میں ،ابوداؤد نے کتاب الصلوٰہ (۸۵۱) میں ،ترمذی نے ابواب الصلوٰۃ (۱۰۳/۲، ۱۰۴) میں ،ابن ماجہ نے سنن (۳۳۶/۱) میں ،احمد نے مسند (۴۳۷/۲) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[۲]......تطبیق کے معنی ہیں رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کو بجائے اوپر رکھنے کے زانوؤں کے اندر دے دینا۔ ۱۲(منہ).

[۳]......دیکھئے صحیح مسلم (۶۸/۲)

Www.IslamicBooks.Website

مطلقہ عامہ کی نقیض نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل نسخ پر جسے آج کل بڑے زور سے بیان کیا جاتا ہے صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کے الفاظ مع مطلب یہ ہیں "مالی أراکم رافعی أیدیکم کأنها أذناب خیل شمس" (صحیح مسلم)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے رفع یدین کا نسخ ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے تو ہر قسم کی رفع یدین جو نماز کے اندر ہو گی منع ہو گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مجمل ہے مفصل خود اس شبہہ کا جواب دیتی ہے چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صلیت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فکنا اذا سلمنا قلنا بأیدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ماشانکم تشیرون بأیدیکم کأنها أذناب خیل شمس اذاسلم احدکم فیلتفت الی صاحبه ولایؤمی بیده.

(صحیح مسلم باب الأمر بالسکون فی الصلوٰۃ) [1]

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم اخیر نماز کے سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے السلام علیکم کہا کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تمھیں کیا ہوا کہ ہاتھوں سے ایسے اشارہ کرتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دُمیں ہیں جب کوئی سلام پھیرا کرے تو وہ اپنے ساتھی کی طرف صرف دیکھا کرے اور (اپنے ہاتھ سے)

---

[1]..... صحیح مسلم (۲/۲۹۔۳۰)

Www.IslamicBooks.Website

اشارہ نہ کیا کرے۔[1]

پس یہ مفصل روایت ہی کافی جواب دے رہی ہے کہ بات کچھ اور ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے محل رفع یدین سے منع فرمایا ہے جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے نہ کہ عندالرکوع والی رفع یدین سے۔

علاوہ اس کے نسخ میں تقدم وتأخر قطعی ہونا چاہیئے جو یہاں پر نہیں، بھلا اگر کوئی یوں کہہ دے کہ یہ روایت (بشرطیکہ اس کو رفع یدین عندالرکوع سے تعلق ہو) خود ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ سے منسوخ ہے کیونکہ ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع یدین پر بعد انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمل کرتے رہے تو اس کا جواب شاید قائلین نسخ پر ہم سے زیادہ مشکل ہو۔ اخیر میں اپنے بھائیوں کو فخر المتأخرین استاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ سنا کر بحث ختم کرتے ہیں، شاہ صاحب نے فرمایا ہے:

"والذی یرفع أحب الی ممن لایرفع فان أحادیث الرفع اکثر وأثبت (حجۃ اللہ البالغہ اذکار وھیئات)۔[2]

یعنی جو لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں سے مجھے زیادہ پیارے ہیں کیونکہ رفع یدین کی حدیثیں تعداد میں زیادہ ہیں اور ثبوت میں بھی بعض پختہ۔

---

[1]..... محدث عصر علامہ شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مختصر صحیح مسلم ص ۸۸ کے حاشیہ میں بیان کیا اس حدیث کی وضاحت میں کہ حدیث میں مذکور رفع سے مراد سلام کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا ہے کہ لوگ سلام کے ساتھ دونوں جانب سے اشارہ کریں جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے یہ بڑی مصیبت ہے کہ بعض حنفیہ نے رکوع کے وقت اور اس سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کے رد پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جب کہ دونوں مقام میں رفع یدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور متواتر ثابت ہے، فالی اللہ المشتکی۔ [2]..... دیکھئے حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۰

Www.IslamicBooks.Website

مزید بحث رفع یدین کی دیکھنی ہو تو رسالہ تنویر العینین مصنفہ مولانا شاہ اسماعیل شہید قدس سرہ یا ہمارا رسالہ آمین، رفع یدین مطالعہ کریں۔

(۱۴) آمین بالجہر

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ جب امام اونچی آواز سے پڑھے تو بعد ولاالضالین کے مقتدی بآواز بلند آمین کہیں کیونکہ عن أبی هريرة رضی اللہ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاتلا (غير المغضوب عليهم ولاالضالين) قال آمين حتى يسمع من يليه من الصف الأول. (رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ) [۱] وقال حتى يسمعها أهل الصف الأول فيرتج بها المسجد. (المنتقی) [۲]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (غير المغضوب عليهم ولاالضالين) کہتے تو آمین ایسی کہتے کہ (آپ سے قریب) پہلی صف والے سُن لیتے، پھر سب لوگ بیک آواز آمین کہتے تو تمام مسجد آواز سے گونج اٹھتی۔

اس مسئلہ نے اپنی قوت ثبوت کی وجہ سے بعض محققین علماء حنفیہ کو بھی اپنا قائل بنالیا، چنانچہ مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی شرح وقایہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"قد ثبت الجهر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بأسانيد متعددة يقوى بعضها بعضاً فى سنن ابن ماجة والنسائى وأبى داؤد وجامع الترمذى وصحيح ابن حبان وكتاب الأم للشافعى وغيرها

---

[۱]..... اس لفظ کے ساتھ ابوداؤد نے اپنی سنن کے کتاب الصلوٰۃ (۹۳۴) میں روایت کیا ہے۔

[۲]..... اخیر لفظ کی زیادتی کے ساتھ اسے ابن ماجہ نے کتاب الصلوٰۃ (۸۵۳) میں، اور ابن الجارود نے المنتقی (ص ۸۳) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر حسن ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

وعن جمع من أصحابه برواية ابن حبان فی کتاب الثقات وغیره ولهذا أشار بعض أصحابنا کابن الهمام فی فتح القدیر وتلمیذه ابن امیر الحاج فی حلیة المحلی شرح منیة المصلی الی قوته روایة. (حاشیہ شرح وقایہ ص ۱۶۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد سندوں کے ساتھ آمین بالجہر کہنا ثابت ہے وہ ایسی سندیں ہیں کہ ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں سنن ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، جامع ترمذی، صحیح ابن حبان، امام شافعی کی کتاب الأم وغیرہ میں موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت سے بھی ابن حبان کی کتاب الثقات وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے اس واسطے ہمارے بعض علماء ابن الہمام جیسوں نے فتح القدیر میں اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آمین بالجہر کا ثبوت باعتبار روایات کے قوی ہے۔

صاحب ہدایہ نے ہمارے مذہب کے خلاف یا یوں کہئے کہ اپنے مذہب کے ثبوت کے لئے دو دلیلیں لکھی ہیں، ایک تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ چار چیزیں امام آہستہ کہے ان میں سے ایک آمین بھی ہے۔

أربع یخفیهن الامام وذکر من جملتها التعوذ والتسمیة وآمین. [1]

(ہدایہ)

---

[1]..... چار چیزیں امام آہستہ کہے اور ان میں سے تعوذ، بسم اللہ اور آمین کو بیان کیا، اس اثر کو علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ (۳۲۵/۱) میں بیان کیا اور اسے غریب (ضعیف) قرار دیا ہے اور اسی معنی میں ابن ابی شیبہ نے کتاب المصنف (۴۱۱/۱) میں ابن مسعود سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تعوذ اور ربنا لک الحمد آہستہ سے کہتے تھے، اس میں آمین کا تذکرہ نہیں ہے جب کہ محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں اور عبدالرزاق نے المصنف (حدیث نمبر ۲۵۹۶) میں ابراہیم نخعی کا یہ

Www.IslamicBooks.Website

اس کا جواب بھی وہی ہے جو رفع یدین کے مسئلہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ کوئی فعل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو کسی صحابی کے عدم فعل سے رد یا منسوخ نہیں ہوسکتا جب کہ آمین بالجہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو پھر کسی صحابی کے نہ کرنے یا منع کرنے سے منع نہیں ہوسکتی، البتہ صحابی کو معذور سمجھنے کے لئے کوئی تاویل کرنی پڑے گی، سو جو تاویل باقی مسائل میں حنفیہ کرام کریں گے وہی ہم اس مسئلہ میں کریں گے کہ اس صحابی سے یہ فعل نبوی مخفی رہا، ہاں اگر کسی کو یہ تاویل پسند نہ ہو تو وہ ان ہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رکوع کے وقت تطبیق کرنے وغیرہ مسائل خلافیہ متعلق عبادات وغیرہ کی کوئی معقول توجیہ بتادیں تو ہم بھی اسی پر دستخط کردیں گے۔

دوسری دلیل صاحب ہدایہ نے یہ دی ہے **ولأنه دعاء فيكون مبناه على الخفاء** (ہدایہ) [1] (اور اس لئے بھی کہ) آمین دعا ہے پس یہ مخفی ہونی چاہیئے۔

اس دلیل میں آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے (**ادعوا ربكم تضرعاً** [2] **وخفية**). [3] ۔اپنے پروردگار کو عاجزی سے اور خفیہ پکارا کرو۔

لیکن بڑے ادب سے عرض ہے کہ آمین اصل دعا نہیں بلکہ استجابت دعا ہے جو اگر ہے تو حکماً دعا ہے یعنی جو دعا امام نے کی ہے اس کی قبولیت کی درخواست ہے،

قول نقل کیا ہے۔ چار چیزیں امام آہستہ سے کہے گا تعوذ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سبحانک اللھم وبحمدک الخ اور آمین۔

بہرحال ابن مسعود کا یہ اثر بھی نا قابل اعتبار اور نا قابل استدلال ہے اور آمین بالجہر والی حدیث صحیح اور معتبر ہے۔

[1]..... دیکھئے ہدایہ (۱/۶۵) [2]..... یہاں تضرعاً خفیۃ کے مقابل ہے اس لئے تضرعاً کے معنی علانیہ ہیں۔ (جلالین پ ۷ آیت ۱۵۵) تقریظ احمد

[3]..... سورہ اعراف (آیت ۵۵)

Www.IslamicBooks.Website

پس جب اصل دعا جو امام کر رہا ہے یعنی سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہے بحکم روایت مذکورہ مانعین اسے آہستہ پڑھنے کا حکم نہیں دیتے اور جو اُسی دعا کی استجابت (قبولیت) کی درخواست کرے اس استجابت کو اس آیت سے منع کریں **لعمری ان هذا لأعجب العجاب.** [1]

پس امام اونچی آواز سے دعا کرے گا تو مقتدی بھی بلند آواز سے استجابت کرے گا اور جس وقت آہستہ دعا کرے گا مقتدی بھی آہستہ استجابت کرے گا، سارا مدار امام پر ہے، پہلے امام کو روکنا چاہئے مقتدی خود رُک جائے گا فافہم۔

اخیر میں محققین حنفیہ کا فیصلہ متعلق مسئلہ ھذا ابتلا کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں، شیخ ابن الھمام شارح ہدایہ، فتح القدیر میں مسئلہ ھذا آمین بالجہر میں بالکل اہلحدیث کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں **لو كان الي في هذا شئ لوفقت بأن رواية الخفض يراد بها عدم القراءة العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها في زير الصوت وذيله يدل على هذا مافي (سنن) ابن ماجة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تلا (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) قال آمين حتى يسمع من الصف الأول فيرتج بها المسجد الخ.** (جلد ا ص ۱۱۷، طبع نولکشوری)۔

اگر مجھے اس امر میں اختیار ہو (یعنی میری رائے کوئی سنے) تو میں اس میں موافقت کروں کہ جو روایت آہستہ والی ہے اس سے مراد ہے کہ بہت زور سے نہ چلاتے تھے اور جہر کی آواز سے مراد گونجتی ہوئی آواز ہے میری اس توجیہ پر سنن ابن ماجہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب **غير المغضوب عليهم ولا الضالين.** پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے ایسی کہ پہلی صف والے سُن

---

[1]..... قسم میری زندگی کی قسم یہ نہایت درجہ تعجب خیز چیز ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

لیتے تھے پھر (دوسرے لوگوں کی آواز ملنے سے) مسجد گونج جاتی تھی۔

ان دونوں مسئلوں کے متعلق ہمارا رسالہ آمین، رفع یدین ملاحظہ ہو۔

''اظہارِ تشکر''

اہلحدیث کو فخر ہے کہ ان کے مسائل قرآن وحدیث سے ثابت ہو کر ائمہ سلف کے معمول بہ ہونے کے علاوہ صوفیائے کرام میں سے مخدوم جہانی محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز بھی ان کی تائید میں ہیں، چنانچہ ان کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' [۱] کے دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ حضرت ممدوح نے آمین اور رفع یدین کو کس وضاحت سے لکھا ہے۔ زہے قسمت۔

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطانِ جہاں باماست امروز [۲]

پس صوفیائے کرام کی خدمت میں عموماً اور خاندان قادریہ کی جناب میں خصوصاً بڑے ادب سے عرض ہے کہ وہ ان دونوں سنتوں کے رواج دینے میں دل وجان سے سعی کریں اور اگر خود نہ کریں تو ان کے رواج دینے والے فرقہ اہلحدیث سے دلی محبت اور اخلاص رکھیں کیونکہ۔

پائے سگ بوسیدہ مجنوں خلق گفتا ایں چہ بود ایں سگے در کوئے لیلیٰ گاہے گاہے رفتہ بود [۳]

---

[۱]..... دیکھئے الغنیۃ لطالبی طریق الحق، مولفہ شیخ عبدالقادر جیلانی (۱/۴)۔

[۲]..... فقیروں کو اس حقیقت کی خبر نہیں ہے کہ دنیا کا بادشاہ آج ہمارے ساتھ ہے۔

[۳]..... مجنوں کو کتے کا پیر چومتے ہوئے دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ یہ کیا تھا مجنوں نے جواب دیا کہ یہ کتا لیلیٰ کی گلی میں کبھی کبھی جاتا تھا۔

Www.IslamicBooks.Website

(۱۵) سینے پر ہاتھ باندھنے

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے "عن وائل بن حجر قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ۔[1] (ابن خزیمہ) (وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے وقت (اپنے دائیں

---

[1]..... اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (۲۴۳/۱) میں، بیہقی نے السنن الکبری (۳۰/۲) میں، ابوالشیخ نے طبقات المحدثین بأصبھان (۲۶۸/۲) میں وائل بن حجر سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی مؤمل بن اسماعیل بصری کو متکلم فیہ بتایا گیا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب (ص ۵۵۵) میں اس کی بابت کہا کہ یہ صدوق سیئ الحفظ ہے لیکن یہ حدیث اپنے متعدد طرق اور شواہد احادیث کی بنیاد پر حسن ہے، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الأوطار (۱۸۹/۲) میں بیان کیا ہے کہ اس بابت میں وائل بن حجر کی حدیث سے صحیح ترین کوئی حدیث نہیں ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۸۸) میں اسی حدیث کو نقل کیا ہے اور فرمایا کہ اس کی ایک سند کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے، پھر تنبیہ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کا سینہ پر رکھنا حدیث میں ثابت ہے اور اس کے برخلاف جو بھی روایت ہے یا تو وہ ضعیف ہے یا اس کی کوئی اصل نہیں اور اسی سنت پر امام اسحاق بن راھویہ کا عمل رہا ہے جس کی تفصیل اسحاق بن منصور مروزی نے مسائل الامام احمد واسحاق بن راھویہ (ص ۲۲۲) میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسحاق ہمیں وتر پڑھاتے تھے اور قنوت میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر یا سینے کے نیچے رکھتے تھے اور اسی طرح کا قول قاضی عیاض مالکی کا بھی ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب "الاعلام" (ص ۱۵) میں مستحبات صلوٰۃ کے تحت فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر گلے کے قریب رکھنا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے ارواء الغلیل (۳۵۳) وأحکام الجنائز للالبانی (ص ۱۱۸)۔

Www.IslamicBooks.Website

ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر) سینہ پر باندھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو یہ مسئلہ قرآن شریف ہی سے بتلایا ہے "عن ابن عباس قال(فصل لربک وانحر.) ۱؎ قال: وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ عندالنحر. (معالم التنزیل) ۲؎ (ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فصل لربک وانحر کی تفسیر کرتے ہوئے) حضرت ممدوح آیت (وانحر) کے معنی کرتے ہیں کہ (نماز میں) دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر سینہ پر رکھو۔

اور جو حدیث حضرت علی ۳؎ رضی اللہ عنہ والی مصنف ہدایہ نے ناف کے

۱؎.....سورہ کوثر آیت ۲

۲؎.....اس اثر کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے السنن الکبری (۳۱/۲) میں روایت کیا ہے۔ دیکھئے نیل الأوطار (۲۰۶/۱)۔

۳؎.....حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ والی حدیث کو صاحب ہدایہ نے ہدایہ (۵۵/۱) میں یوں نقل کیا ہے "عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه قال ان من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" یعنی سنت سے یہ ہے کہ ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔ اس کو ابوداوٗد نے کتاب الصلوٰہ (۷۵۲) میں بیہقی نے سنن کبری (۳۱/۲) میں، ابن الجوزی نے کتاب التحقیق (۲۸۵/۱) میں، دارقطنی نے اپنی سنن (۲۸۶/۱) میں، ابن المنذر نے الأوسط (۹۴/۳) میں، ابن ابی شیبہ نے کتاب المصنف (۳۹۱/۱) میں اور عبداللہ بن أحمد نے زیادات المسند (۱۶۳/۲) میں روایت کیا ہے۔

یہ حدیث نہایت ضعیف ہے اس میں دو علت قادحہ پائی جاتی ہے پہلی علت یہ ہے کہ اس کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہے جس کو احمد بن حنبل، یحی بن معین، نسائی، ابوحاتم، ابوزرعۃ، عقیلی اور ذھبی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور دوسری علت یہ ہے کہ اس کا دوسرا راوی زیاد بن زید السوائی مجہول ہے۔ علاوہ ازیں علامہ بیہقی نے کہا کہ اس کی سند ثابت نہیں اس کو بیان کرنے میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی متفرد ہے

Www.IslamicBooks.Website

نیچے باندھنے کی نقل کی ہے وہ صحیح نہیں (دیکھو تخریجات ہدایہ)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم [1] میں اس حدیث کی بابت لکھا ہے کہ تمام حفاظ حدیث اس کے ضُعف پر متفق ہیں۔

(۱۶) وجوب جمعہ اور ظہر احتیاطی

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ جمعہ علی الاطلاق واجب ہے حنفیہ اور دیگر علماء کے نزدیک بھی وجوب جمعہ مسلّم ہے مگر وہ چند شرائط ایسی لگاتے ہیں جو اہلحدیث کے نزدیک ثابت نہیں اس لئے مناسب ہے کہ ثبوت فرضیت سے درگذر کر کے ان شرائط پر ہی بحث کی جائے، حنفیہ کرام کا مذہب ہے کہ جمعہ کے واسطے شہر اور قاضی کا ہونا ضروری ہے چنانچہ ہدایہ [2] میں لکھا ہے: **لایصح الجمعة الافی مصر جامع أوفی مصلی المصر، ولاتجوز فی القریٰ لقوله علیه السلام [3] لاجمعة ولاتشریق ولافطر ولاأضحی الا فی مصر جامع والمصر الجامع کل موضع له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود** (ہدایہ باب الجمعہ) جمعہ صرف جامع شہر یا اس کے مضافات (عیدگاہ وغیرہ) میں ہوگا (اور دیہاتوں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے) کیونکہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے نماز جمعہ

اور وہ متروک راوی ہے، علامہ ابن جوزی نے کتاب التحقیق میں بیان کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ دیکھئے ارواء الغلیل (۶۹/۲)، احمد شاکر کی شرح المسند (۱۶۳/۲)، فتح الباری (۲۲۴/۲)، نصب الرایۃ فی تخریج الھدایۃ (۳۱۳/۱)، نیل الاوطار ۷۰۶/۱)۔

[1]..... دیکھئے شرح صحیح مسلم (۱۰۵/۳) اور المجموع (۳۱۳/۳)۔

[2]..... دیکھئے ہدایہ (۱۰۱/۱)

[3]..... اس حدیث کو علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ (۱۹۵/۲) میں ذکر کیا اور کہا کہ یہ حدیث مرفوعاً غریب ہے اس کو ہم نے علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً پایا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

(ونماز تشریق) اور نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ سوائے جامع شہر کے نہیں چاہئیں (اور جامع شہر ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی امیر اور قاضی ہو جو احکام الٰہیہ کو نافذ کرتا ہو اور حدود شرعیہ کو قائم کرتا ہو)۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد مصنف ہدایہ شہر کی تعریف بتلاتے ہیں کہ جہاں حاکم ہو جو احکام اور حدود قائم کرے۔

پس یہی ایک حدیث ہے جس سے اس امر کا ثبوت دیا جاتا ہے کہ جمعہ کے لئے شہر اور قاضی وغیرہ کا ہونا ضروری ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے کہا متفق علیٰ ضعفہ یعنی سب محدث اس کے ضعف پر متفق ہیں، بیہقی [۱] نے کہا ہے کہ اس مضمون کی کوئی حدیث صحیح نہیں آئی، تخریجاتِ ہدایہ زیلعی اور عسقلانی میں اس کو ضعیف [۲] بتلایا ہے۔ ہاں حضرت علی [۳] رضی اللہ عنہ کا قول ہے سو بموجب اصول حدیث وفقہ مسائل اجتہادیہ میں صحابی کا قول حجت نہیں، خاص کر ایسے مسائل میں جہاں اور صحابہ اُس کے خلاف پر بھی ہوں۔

امام بیہقی [۴] نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ مصر اور اس کے مضافات والے جو دریا کے کنارے کنارے رہتے تھے حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے حکم سے جہاں ہوتے جمعہ پڑھ لیتے۔

عبدالرزاق [۵] نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ مکہ

۱..... دیکھئے السنن الکبریٰ (۱۷۹/۳)

۲..... دیکھئے نصب الرایۃ (۱۹۵/۲)، الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ عسقلانی (ص ۱۳۱).

۳..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو عبدالرزاق نے کتاب المصنف (۱۶۷/۳) میں، ابن ابی شیبہ نے کتاب المصنف (۱۰۲/۲) میں، طحاوی نے مشکل الآثار (۵۴/۲) میں، بیہقی نے سنن کبریٰ (۱۷۹/۳) میں روایت کیا ہے اور علامہ ابن حزم نے المحلی (۵۳/۵) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۴..... دیکھئے السنن الکبریٰ (۱۷۸/۳) ۵..... دیکھئے مصنف عبدالرزاق (۱۷۰/۳).

Www.IslamicBooks.Website

اور مدینہ کے درمیان لوگوں کو اپنے اپنے پانی کے جوہڑوں پر جمعہ پڑھتے دیکھتے تو منع نہ کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہ [۱] نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بحرین والوں کو حکم بھیجا تھا کہ تم جہاں ہو جمعہ پڑھ لیا کرو۔

علماء اصول فقہ حنفیہ نے صاف لکھا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال باہمی مختلف ہوں ان میں ہم کو اختیار ہے کسی کی پیروی کرلیں۔

(دیکھو نور الانوار بحث تقلید الصحابی) [۲]

جب تک کوئی مرفوع حدیث نہ ہو وجوب نہیں ہوتا۔

پس جب کسی حدیث صحیح یا آیت قرآنی سے شرطیت ثابت نہیں ہوتی تو بحکم حضور علیہ السلام "ذرونی ماترکتکم" [۳] جمعہ بلا شرط فرض رہے گا الا وہی شرط معتبر ہوگی جس کا ثبوت شرع میں ہو اسی لئے اہلحدیث کا مذہب ہے کہ ہر ایک جگہ جمعہ واجب ہے شہر ہو یا گاؤں جہاں پر دو یا دو سے زیادہ آدمی ہوں گے "بحکم الاثنان فما فوقهما جماعة" [۴] جمعہ پڑھیں گے "فمن ادعی غیر ذٰلک

۱..... مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۰۱-۱۰۲) ۲..... نور الانوار (ص ۲۱۸)

۳..... جب تک میں تم کو حکم نہ دوں تم بھی کرید نہ کیا کرو۔ یہ ایک متفق علیہ حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الاعتصام (۷۲۸۸) میں، مسلم نے کتاب الفضائل (۱۳۳۷) میں روایت کیا ہے۔ ۴..... دو یا دو سے زیادہ جماعت ہے اس کو ابن ماجہ نے اقامۃ الصلوٰۃ (۹۷۲) میں، طحاوی نے مشکل الآثار (۱/۱۸۲) میں، دار قطنی نے کتاب الافراد (ص ۱۰۵) میں، بیہقی نے سنن کبری (۳/۶۹) میں، خطیب نے تاریخ بغداد (۸/۴۱۵، ۱۱/۴۵-۴۶) میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۵/۲/۹۲) میں روایت کیا ہے۔ علامہ بوصیری نے الزوائد میں بیان کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں ربیح اور اس کے والد بدر بن عمر وضعیف ہیں، بدر کو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے مجہول قرار دیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

فعلیه البیان و البرهان" [۱]

اس مختصر سی گفتگو کے بعد طویل الذیل بحث ظہر احتیاطی کی ہے جس پر آج کل بہت سی رائے زنیاں ہو رہی ہیں مگر ہمارے نزدیک بلکہ ہر ایک محقق کے نزدیک یہ رائے زنیاں محض بے بنیاد ہیں اس لئے کہ یہ مسئلہ بھی فقہائے حنفیہ **"شکر اللہ سعیهم"** (اللہ ان کی کوشش کو بارآور کرے) نے خود ہی فیصل کر دیا ہے۔ اصل وجہ اور بناء ظہر احتیاطی کی (جیسا کہ طحطاوی کی آئندہ عبارت سے معلوم ہوگی) یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ جائز نہیں اس لئے جس جگہ متعدد مقامات پر جمعہ پڑھا جائے گا اُس بستی کے جمعہ پڑھنے والوں کو ایسے علماء نے ظہر احتیاطی کا حکم دیا ہے، گو اہلحدیث کے نزدیک تو کوئی مسئلہ بھی جو قرآن وحدیث سے مدلل نہ ہو قابل قبول نہیں اس لئے ان کو تو ایسے اقوال کیا ہی اثر کر سکتے تھے مگر شکر ہے کہ محققین علماء حنفیہ نے بھی ایسی ویسی روایات سے صریح انکار کیا۔ دُرّ مختار

اس مذکورہ لفظ کے ساتھ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الاذان کا باب نمبر ۳۵ باندھا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۴۲/۲) میں کہا کہ یہ باب ایک حدیث کا لفظ ہے جو متعدد ضعیف طرق کے ساتھ وارد ہے، چنانچہ ابن ماجہ نے ابوموسیٰ اشعری سے، بغوی نے معجم الصحابہ میں حکم بن عمیر سے، دارقطنی نے افراد میں عبداللہ بن عمرو سے، بیہقی نے سنن کبریٰ (۶۹/۳) میں انس بن مالک سے، طبرانی نے معجم اوسط میں اور احمد نے مسند (۲۵۴/۵، ۲۶۹) میں ابوامامہ سے روایت کیا ہے لیکن یہ سب طرق ضعیف ہیں۔

محدّث عصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل (حدیث نمبر ۴۸۹) میں اس کے مذکورہ جملہ طرق کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے تمام طرق کی جانب سے ضعیف ہے اور اس کے تمام طرق کے شدید ضعیف ہونے کی بنیاد پر ایک دوسرے سے اس کو تقویت بھی نہیں ملتی۔

اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں بیان فرمایا کہ اسکے جملہ طرق ضعیف ہیں۔

[۱]...... پس جو اس کے برخلاف دعویٰ کرے اس کے ذمہ وضاحت کرنی اور دلیل پیش کرنی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

میں صاف مرقوم ہے:

"وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتوی. (درمختار)[1]

قوله مطلقاً سواء کان هنالک ضرورة أم لا،فصل بین جانبی البلد نهر أم لا، قوله علی المذهب لاطلاق الخبر وهو لاجمعة الافی مصر فشرط المصر فقط" (طحطاوی).

ایک ہی شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا ہو سکتا ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔اس میں علامہ طحطاوی حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ بے شک ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو سکتا ہے ضرورت ہو یا نہ ہو،شہر کے درمیان کسی نہر وغیرہ کا فاصلہ ہو یا نہ ہو ہر صورت میں جائز ہے کیونکہ حدیث ("لاجمعة الافی مصر" یہ مطلق اور عام ہے) اور حدیث میں صاف شہر کی شرط ہے اور بس (ہمارے نزدیک تو شہر کی شرط بھی نہیں چنانچہ اس کی بحث پہلے آچکی ہے)۔

اس فیصلہ کے بعد ایک ہی بستی میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے،صاحب درمختار اور طحطاوی کا فیصلہ خاص دربارۂ ظہر احتیاطی بتلاتے ہیں،مصنف درمختار صاحب بحر سے نقل کرتے ہیں"قد أفتیت مرارا بعدم صلوٰة الاربع بعدها بنیة آخر الظهر خوف عدم فرضیتها وهو بالاحتیاط فی زماننا"(درمختار)[2]

قوله قد أفتیت الخ هذا کلام مرتبط بکلام قبله الکمال فانه قال وانما أکثرنا فیه أی فرض الجمعة نوعامن الاکثار لمانسمع من بعض الجهلة أنهم ینسبون الی مذهب الامام عدم افتراضها قال صاحب البحر: وقد کثر ذٰلک من جهلة زماننا أیضاً ومنشأ

---

[1]...... دیکھئے درمختار (۶۷/۱)　[2]...... دیکھئے درمختار (۶۶/۱)

Www.IslamicBooks.Website

جهلهم صلوٰة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وانما وضعها بعض المتأخرين عندالشک فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصرواحد وليست هٰذه الرواية بالمختار وليس هٰذا القول أعنی اختيار الأربع بعدها مرويا عن الامام وصاحبيه حتی وقع لی أنی أفتيت مرارا بعدم صلوتها خوفا علی اعتقاد الجهلة أنها الفرض، وأن الجمعة ليست بفرض. (طحطاوی)

میں نے کئی دفعہ (جمعہ کے بعد چار رکعت نماز) ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کا فتوی دیا ہے کیونکہ خوف تھا کہ لوگ جمعہ کی فرضیت ہی نہ بھول جائیں اور ہمارے زمانہ میں مناسب اور احتیاط یہی ہے کہ ظہر احتیاطی نہ پڑھی جائے۔ (اس پر علامہ طحطاوی نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی ہے کہتے ہیں) ہم نے اس لئے ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کے متعلق طول کلامی سے کام لیا ہے کہ بعض جاہلوں سے ہم نے سنا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کرتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں ہے۔

صاحب البحر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانے کے جاہلوں میں بھی عام طور پر یہ خیال شائع ہوا ہے کہ جمعہ فرض نہیں اور ان کے اس خیال کی وجہ صرف (جمعہ کے بعد چار رکعت نماز بہ نیت) ظہر احتیاطی ہے اور بعض متاخرین علماء نے ظہر احتیاطی کو صرف اس لئے تجویز کیا تھا کہ ایک روایت کے مطابق ایک ہی شہر میں چند جگہ جمعہ جائز نہ تھا حالانکہ یہ روایت ٹھیک نہیں اور نہ ہی یہ قول کہ (جمعہ کے بعد) ظہر احتیاطی کی چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ امام ابوحنیفہ صاحب اور نہ صاحبین رحمہم اللہ سے منقول ہے حتی کہ مجھے بھی کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے کہ میں نے خود ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو فرض جان لیتے ہیں اور جمعہ کو فرض نہیں جانتے (دیکھو طحطاوی)

Www.IslamicBooks.Website

ان روایات فقہیہ معتبرہ نے ظہر احتیاطی کے مسئلہ کا جہاں فیصلہ کیا ہے اس کی بناء اور وجہ تجویز بھی بتلادی کہ اصل وجہ ظہر احتیاطی کی یہ ہوئی ہے کہ بعض متاخرین نے (جن کا نام بھی شاید معلوم نہیں) ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا بعض روایات فقہیہ سے ناجائز سمجھا جس پر ظہر احتیاطی کا حکم لگایا پھر اس بنیاد کا ابطال بھی صاف لفظوں میں کردیا کہ یہ روایت کہ ایک مقام میں متعدد جگہ جمعہ ناجائز ہے پسندیدہ اور مختار نہیں بلکہ پسندیدہ اور قابل قبول فتویٰ یہی بات ہے کہ ایک بستی میں متعدد جگہ بلاشبہہ جمعہ جائز ہے، پس اب ظہر احتیاطی کا قائل ہونا صریح بناء فاسد[۱] علی الفاسد نہیں تو کیا ہے؟

افسوس کہ اہلحدیث پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کتب فقہ کو نہیں مانتے حالانکہ وہ جس طریق سے مانتے ہیں سب سلف صالحین اُسی طرح مانتے تھے، مگر جب اپنے خلاف کوئی روایت ہو تو باوجود تسلیم صحت اس روایت کے ہمارے بھائی کانوں پر ہاتھ رکھ کر صاف نکل جاتے ہیں، ہمارے پاس موجودہ محققین علماء حنفیہ شکر اللہ سعیھم (اللہ ان کی کوشش کو بارآور کرے) کے انکاری فتویٰ بھی اس امر میں موجود ہیں مگر ہم ان کو پیش کرنا نہیں چاہتے تاکہ کسی صاحب کو انکار کی گنجائش نہ ہو، علاوہ اس کے موجودہ علماء محققین کی تحقیق کی بناء بھی ان ہی متقدمین فقہاء کے اقوال پر ہے اس لئے بحکم الفضل للمتقدم[۲] ان ہی متقدمین کے اقوال کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ ع

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست[۳]

---

[۱]..... کسی فاسد و باطل چیز کی بنیاد دوسرے فاسد و باطل امر پر رکھنا۔ [۲]..... متقدم کو فضیلت حاصل ہے۔ [۳]..... اگر گھر میں کوئی شخص موجود ہے تو بس ایک حرف ہی کافی ہے۔

تنبیہ: جمعہ کے ہر سہ مذکورہ مسائل پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ کریں مولانا عبدالسلام بستوی شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے تین رسائل (۱) ارشاد خیر الوریٰ لاقامۃ الجمعۃ فی القریٰ (۲) البرھان الساطع لاثبات الخطبۃ بلسان السامع (۳) نور الشمعۃ لرد احتیاط الظھر بعد الجمعۃ. مطبوعہ الدار السلفیہ مومن پورہ ممبئی، ماہ جنوری ۱۹۷۷ء.

Www.IslamicBooks.Website

(۱۷) خطبہ میں وعظ

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ خطبہ میں خطیب قرآن شریف پڑھ کر اس کا مطلب بتلاتا جائے اور مناسب مناسب موقع پر تفسیر یا تشریح آیات اور تذکیر حاضرین بھی کرے، اتنے مطلب کے لئے کسی آیت یا حدیث سے ثبوت دینے کی حاجت نہیں، خطیب کی ہیئت کذائی اور شکل ظاہری حاضرین کی طرف منھ کر کے بلند مکان پر کھڑا ہونا اور بصیغہائے خطاب ان کو مخاطب کرنا اور "ایھا الناس، ایھا الاخوان" (اے لوگو! اے بھائیو!) کہہ کہہ کر پکارنا یہی دلیل کافی ہے کہ ایسی صورت میں اُس کو کھڑا کرنے سے شریعت کو یہی مقصود ہے کہ لوگ اس کے کلام کو بغور سنیں اور مستفید ہوں، میری یہ رائے وجدانی رائے ہے کہ خطیب کی شکل اور ہیئت کذائی ہی دیکھنے سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس سے مقصود شریعت کا یہی ہے کہ لوگوں کو پند ونصائح سُناوے اور لوگ اس سے مستفید ہوں، اس صوری دلیل کے علاوہ قرآن وحدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور اقوال علماء وفقہاء بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

کچھ شک نہیں کہ خطبہ خطاب سے ماخوذ ہے اور خطاب میں جب تک ہم زبانی نہ ہو خطاب حاصل نہیں ہوسکتا، اللہ فرماتا ہے (وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم) [1] یعنی جو رسول اللہ کی طرف سے آتا رہا وہ اپنی قوم کے محاورہ ہی پر بولتا تھا تا کہ ان کو بیان کر کے مطالب سمجھا جائے۔

احادیث اس بارے میں کثرت سے آتی ہیں جن سے یہ مطلب بدیہی اور روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کی وضع شریعت میں اسی غرض کیلئے ہے کہ خطیب حاضرین کو اپنے مافی الضمیر سے اطلاع دے اور وہ بگوشِ دل اُس کی باتوں کو

---

[1] .....سورہ ابراہیم آیت ۴۔

Www.IslamicBooks.Website

سُنیں، چنانچہ ہر ایک حدیث کی کتاب میں یہ مضمون مل سکتا ہے کہ اصحاب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ فلاں کام پیش آیا (خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ سنایا اور وہ مطلب سمجھایا، ان بیرونی شہادتوں کے علاوہ خاص جمعہ میں خطبہ نبویہ کی کیفیت حدیثوں میں یوں آتی ہے:

كانت للنبي صلى الله عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويُذَكِّرِ النَّاس. (صحیح مسلم) [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دو حصے ہوتے تھے (جیسا کہ آج کل بھی دستور ہے) درمیان ان دونوں کے بیٹھتے تھے، قرآن ان میں پڑھتے تھے اور لوگوں کو توعظ ونصیحت کرتے تھے۔

یہ حدیث اپنا مضمون بتلانے میں بالکل صاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے، نہ صرف قرآن ہی پڑھا کرتے تھے بلکہ یقرأ القرآن (قرآن پڑھتے تھے) کے ساتھ یذکر الناس (لوگوں کو نصیحت کرتے تھے) بھی موجود ہے جس کو راوی نے اس لئے ساتھ ملایا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرلے کہ صرف قرآن کا پڑھنا ہی آپ کا وعظ تھا جیسا کہ آج کل کے مانعین کہتے ہیں۔

ایک حدیث کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں " فأطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة وان من البيان لسحرا" (صحیح مسلم) [2] نماز کو لمبی اور خطبہ کو چھوٹا کیا کرو کیونکہ بعض بیان تاثیر کرنے میں جادو کی طرح ہوتے ہیں۔

---

[1]...... صحیح مسلم کتاب الجمعۃ (۹/۳).

[2]...... اس کو مسلم نے کتاب الجمعۃ (۱۲/۳) میں روایت کیا ہے پوری حدیث یوں ہے کہ عمار بن یاسر نے مرفوعاً بیان کیا کہ آدمی کا لمبی نماز پڑھنا اور مختصر خطبہ اس کی عقلمندی کی علامت ہے لہٰذا نماز لمبی پڑھو اور خطبہ مختصر دو۔ الحدیث.

Www.IslamicBooks.Website

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کو بیان فرمایا ہے جس میں اتحادلسان یعنی خطیب اور سامعین کا ہم زبان اور ہم محاورہ ہونا بحکم عرف اور بفحوائے آیت مرقومہ (الا بلسان قومه) ضروری ہے۔

ایک حدیث میں راوی (جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ) آپ کے خطبہ کی کیفیت یوں بتلاتا ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاخطب احمرت عيناه وعلاصوته واشتد غضبه حتى كأنه منذر جيش ويقول صبحكم ومساكم. (صحیح مسلم)[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند ہوتی اور غصہ سخت ہوتا گویا آپ کسی دشمن کی فوج سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ ابھی صبح وشام کو دشمن تم پر آنے والا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب اذاجاء أحدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما. (صحیح مسلم)[2]

(حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ جو کوئی (جمعہ کے دن) امام کے خطبہ پڑھتے ہوئے آوے وہ خفیف سی دو رکعتیں پڑھ لیا کرے۔

ایک روایت میں ہے:

بينما عمر بن الخطاب رضى الله عنه يخطب يوم الجمعة اذدخل

---

[1]..... صحیح مسلم کتاب الجمعة (۱۱/۳)۔ [2]..... صحیح مسلم کتاب الجمعة (۱۵/۳)۔

Www.IslamicBooks.Website

رجل من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: أیة ساعة هٰذه؟ فقال: ماهو الا أن سمعت النداء ومازدت علی أن توضأت قال: والوضوء أیضا وقد علمت أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمر بالغسل. (سنن ترمذی) [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اُسی وقت ایک صحابی (عثمان رضی اللہ عنہ) مسجد میں داخل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ہی میں کہا کہ یہ کون سا وقت آنے کا ہے؟ اُس نے کہا میں تو اذان سنتے ہی وضو کر کے آ گیا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا صرف وضو ہی پر تو نے قناعت کی ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے کا حکم فرمایا ہے۔

عید کے خطبہ کے کیفیت یوں آئی ہے:

فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم وان کان یرید أن یقطع بعثا قطعه أویأمر بشئ أمر به ثم ینصرف. (متفق علیہ) [2]

بعد نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے، پس اُن کو وعظ کرتے اور وصیت فرماتے اور حکم کرتے اور اگر کسی فوج کو تیار کرنا ہوتا تو اسی خطبہ ہی میں تیار کرتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو کر دیتے پھر چلے جاتے۔

ان روایات سے اُس شبہہ کا جواب بھی ہو جاتا ہے جو عموماً اس مسئلہ کے

---

[1]..... سنن ترمذی ابواب الجمعۃ حدیث نمبر (۴۹۲، ۴۹۳) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

[2]..... اس کو بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب العیدین (۹۵۶) میں اور مسلم نے اپنی صحیح کے کتاب صلوٰۃ العیدین (۲۰/۳) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے اللؤلؤ والمرجان (حدیث نمبر ۵۱۰)۔

Www.IslamicBooks.Website

خلاف پر کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے غیر ملکیوں میں جا کر عجمی زبانوں میں خطبہ کا ترجمہ نہیں سُنایا تو معلوم ہوا کہ سوائے عربی کے اور زبانوں میں ترجمہ نہ چاہیئے۔

اس کا جواب ان روایات سے یوں پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عین خطبہ پڑھتے ہوئے جو یہ فرمایا اذا جاء أحدكم يوم الجمعة الخ. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صحابی کو دیر کرنے پر ٹوکا۔ اب بھی خطیب کو ایسی حاجت پیش آوے تو کیا عربی ہی میں کہے؟ اور بس کر دے یا ان الفاظ کا مطلب سامعین کو سمجھا بھی دے؟ کچھ شک نہیں کہ عربی ہی میں کہنے کو کافی کہنے والا دنیا بھر میں کوئی نہ ہوگا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک شخص پنجابی جو عربی زبان سے بالکل نا آشنا ہے مسجد میں آئے تو امام اسے تنبیہ کرنے کو یوں کہے کہ أية ساعة هذه؟ والوضوء أيضا وقد علمت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بالغسل، یا اگر امیر کو فوج تیار کرنی ہو تو پنجابی یا ہندی حاضرین کو عربی میں فرمان دے کر بغیر مطلب سمجھائے چل دے، میرے خیال میں دنیا بھر میں یہ بات کوئی نہ کہے گا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے یہ سب امور خطبات میں ثابت ہیں پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے اس اصول (تفہیم) کو غیر ملکوں میں ملحوظ نہ رکھا ہو، ہاں یہ ممکن ہے کہ بوجہ اس کے کہ فتح کرتے ہی حاضرین صرف اپنی فوج ہوتی تھی یا جو نو مسلم ہوتے وہ بہت ہی قلیل ہوتے اس لئے بحکم کثرت عربی ہی میں خطبہ سناتے ہوں گے اور خطیب کا عجمی زبان سے ناواقف ہونا بھی ایک سبب ہو تو اغلب ہے۔

علاوہ اس کے اس بات کی نسبت کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عجمی زبانوں میں خطبہ کا ترجمہ یا مطلب نہیں سنایا یا غایت مافی الباب اس

Www.IslamicBooks.Website

کا عدم علم ہے اور عدم علم مقتضی عدم شیٔ کو نہیں ہوتا، خاص کر اس صورت میں کہ سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک فعل ثابت ہو پھر اس کے معمول بہ ہونے کے لئے کسی صحابی یا امام کی تائید کی ضرورت ہے بلکہ اس فعلِ نبوی کے چھوڑنے پر اُن کے حق میں عذر تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ فعل نبوی میں کسی طرح ضعف لانے کی کوشش، کتب فقہ میں بھی یہ مسئلہ (خطبہ میں وعظ کرنا) مصرح ملتا ہے۔

ویبدأ قبل الخطبة الأولی بالتعوذ سرا ثم بحمد اللہ تعالیٰ والثناء علیه والشهادتین والصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم والعظة والتذکیر والقراءة. (ردالمحتار ذکر جمعہ)[1]

ردّ المحتار میں ہے کہ خطبہ اولیٰ سے پہلے پوشیدہ اعوذ پڑھے پھر (اللہ تعالیٰ کی) حمد وثناء کرے اور کلمۂ شہادتین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور وعظ ونصیحت کرے اور قرآن پڑھے۔

درّ مختار میں ہے: **ویکره تکلمه فیها الا الأمر بمعروف لأنه منها.** (الدر المختار)[2] امام کو (خطبہ میں) سوائے امر معروف کرنے کے اور بات کرنی منع ہے امر معروف اس لئے مکروہ نہیں کہ وہ تو خطبہ میں ہے۔

ہدایہ میں ہے: **ولو خطب قاعدا أو علی غیر طهارة جاز لحصول المقصود** (الہدایہ). اور اگر خطیب بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ پڑھے تو جائز ہے کیونکہ مقصود بے وضو سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ **وهو الوعظ والتذکیر** (کفایہ) مقصود کی تشریح کفایہ حاشیہ ہدایہ میں بھی ہے کہ مقصود خطبہ سے وعظ ونصیحت ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم نے کہا ہے کہ: **ان لا یخلو الاقتصار علی هٰذا من الکراهة کما فی الدر المختار وجامع الرموز**

---

[1]..... ردالمحتار (۳/۲۱) [2]..... دیکھئے ردالمحتار (۳/۲۲)

Www.IslamicBooks.Website

لکونہ خلاف السنة فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخطب خطبتین ویجلس بینھما جلسة خفیفة وکان یثنی علی اللہ فیھما ویعظ ویذکر ویبین الأحکام المناسبة ویقرأ فیھا آیات من القرآن.

(عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ) [1]

ایک دو تسبیح پر خطبہ میں کفایت کرنا مکروہ ہے جیسا کہ درمختار اور جامع رموز میں لکھا ہے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ (دو) خطبے پڑھتے تھے (جن کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھتے تھے اس میں اللہ کی تعریف بیان کرتے) اور وعظ ونصیحت کرتے اور احکام مناسب بیان فرماتے اور قرآن کی آیات پڑھتے تھے۔

مالابد میں ہے۔ نزد صاحبین فرض آنست کہ ذکر طویل باشد، دو خطبہ خواندن مشتمل برحمد وصلوٰۃ وتلاوت قرآن، وصیت مر مسلمانان را واستغفار برائے نفس خود وبرائے مسلمانان نزد اکثر ائمہ فرض ست ونزد امام اعظم سنت ست ترک آں مکروہ [2]

بغرض اختصار ان ہی حوالہ جات پر قناعت کی جاتی ہے ورنہ فقہ کی ہر ایک کتاب میں مسئلہ صاف مل سکتا ہے ان تمام حوالہ جات میں بتصریح مذکور ہے کہ خطیب وعظ وتذکیر خطبہ میں کرے، اور دلیل ان سب کی وہی احادیث ہیں جو ہم نے نقل کی ہیں اور مولانا عبدالحی مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ کی منقولہ عبارت میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

[1]..... حاشیہ شرح الوقایۃ (۱/۲۰۰).

[2]..... صاحبین کے نزدیک فرض یہ ہے کہ ذکر طویل ہوگا، دو خطبہ پڑھنا جو اللہ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور قرآن کی تلاوت پر مشتمل ہوگا اور خاص طور پر مسلمانوں کو وصیت کرنا اور خود اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے استغفار کرنا اکثر ائمہ کے نزدیک فرض ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے جس کا چھوڑنا مکروہ ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

افسوس ہے کہ اسلام کا ایک ایسا مسئلہ جو تمام کتب احادیث اور فقہ میں بتصریح تام ملتا ہے، اس زمانہ میں ایسا متروک ہے کہ بعض لوگ خطیب کو وعظ کہتے ہوئے سنتے ہیں تو منتظر رہتے ہیں کہ اس وعظ کے بعد خطبہ ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک خطبہ اسی کا نام ہے جس میں وعظ وغیرہ کا نام نہ ہو صرف عربی زبان میں چند کلمات پڑھ دیئے جائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

اس سے بڑھ کر افسوس اُس طریق ہے جو بعض مانعین علماء کا ایجاد ہے کہ خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر دیسی زبان میں وعظ کہتے رہتے ہیں، جب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو کھڑے ہو کر عربی زبان میں خطبہ سنا دیتے ہیں جس میں کوئی کلمہ دیسی زبان کا نہیں بولتے، معلوم نہیں وہ خطبہ کس مطلب کے لئے ہوتا ہے یا للعجب۔

(۱۸) مسئلہ تراویح

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعت مع وتر گیارہ رکعت تراویح باجماعت اول شب پڑھنی سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی روز پڑھی ہیں چنانچہ حدیث مندرجہ ذیل اس امر پر صریح دلیل ہے۔

عن أبی ذر قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم فلم یقم بنا شیئا من الشهر حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل فلما کانت السادسة لم یقم بنا فلما کانت الخامسة قام بنا حتی ذهب شطر اللیل. (سنن ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) [1]

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1]..... اس حدیث کو ابوداؤد نے ابواب شہر رمضان (۱۳۷۲) میں، ترمذی نے کتاب ابواب الصوم (۸۰۳) میں، نسائی نے اپنی سنن (۱۳۶۴، ۱۶۰۵) میں اور ابن ماجہ نے کتاب اقامۃ الصلوٰۃ (۱۳۲۷) میں روایت کیا ہے۔ (صحیح)

Www.IslamicBooks.Website

ساتھ روزے رکھے تو (مہینہ کے) کسی روز بھی ہم کو تراویح پڑھانے کھڑے نہ ہوئے یہاں تک کہ سات روز ماہ رمضان کے باقی رہ گئے تو ایک رات یعنی تیسویں رات ہمیں تراویح کی نماز ثلث (ایک تہائی) رات تک پڑھائی پھر چوبیسویں رات نہ پڑھائی پھر جب پچیسویں رات آئی تو نصف شب تک نماز تراویح پڑھائی۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تراویح پڑھنے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں اس لئے اس امر کے ثبوت پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، البتہ آج کل اس مسئلہ میں ایک طرز سے بحث پیدا ہوگئی ہے، جس طرح ہمارے حنفی بھائی رفع یدین کی نسبت مُقِر (اعتراف کرتے) ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین تو کی ہے مگر پھر منسوخ ہوگئی تھی، اسی طرح آج کل ایک آدھ کا خیال ہے کہ تراویح تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں مگر پھر جب لوگوں کو گھروں میں چلے جانے کا حکم صادر فرمایا تو نماز تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنی منسوخ [1] ہوگئی۔ تو ایسے صاحبوں سے فیصلہ آسان ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تو ان کو بھی مُسلّم ہے۔ رہا منع کا دعویٰ سو دلیل محتاج ہے۔ آپ اس مسئلہ پر اس حدیث کو دلیل لاتے ہیں جو خوش قسمتی سے اُن کے مخالف لایا کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی متفق علیہ حدیث ہے جس کا مضمون ہے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ

---

[1]..... دیکھو رسالہ البیان الصریح لاثبات کراھۃ التراویح ''مولفہ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی ص ۳۶'' اس رسالہ کا مصنف اب خود اس امر کو مردود جانتا ہے کیونکہ رسالہ مذکورہ میں احادیث کے مضمون پر بحث ہے مگر اب تو مصنف موصوف یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ احادیث کو معاذ اللہ شیطانی خیالات کہتا ہے اس لئے یہ مضمون اس کے لئے نہیں رہا۔ اگر کچھ تعلق اس کو رہا ہے تو شیعہ سے جو تراویح کے مُنکر ہیں آہ! اس دفعہ کے چھپنے سے بہت پہلے مولوی چکڑالوی دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئے۔ ۱۲ (منہ)۔

Www.IslamicBooks.Website

سے باہر نہ نکلے اور فرمایا "خشیت أن یکتب علیکم ولو کتب علیکم ماقمتم فصلوا أیھاالناس فی بیوتکم فان أفضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الاالمکتوبۃ" [1]

یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہوگئی تو تم اس کو نباہ نہ سکو گے اس لئے (اے لوگو!) تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو (اس لئے کہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی سب سے بہتر نماز اپنے گھر میں ہے)۔

پس صاف معلوم ہوا کہ قیام لیل (نماز تراویح) باجماعت مسجد میں منسوخ ہے۔

اس کے جوابات تو کئی طرح ہو سکتے ہیں مگر جن صاحب سے ہمارا روئے سخن ہے چونکہ ان سے ہمیں ذاتی طور پر بھی نیاز حاصل ہے جس سے ہم ان کی طبیعت سے واقف ہیں اس لئے صرف ایک ہی جواب جوان کی طبیعت کے مناسب ہے دیتے ہیں کہ جس نماز کی سنیت کے ہم مدعی ہیں اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، یہ حدیث نماز تہجد کے متعلق ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری [2] میں صاف لفظ ہیں خرج لیلۃً من جوف اللیل. یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز آخر رات کو نکلے اور نماز پڑھی تو چند لوگوں نے آپ کی اقتداء کی، آہستہ آہستہ سب کو خبر ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جماعت کراتے ہیں تو لوگوں کا اتنا ازدحام ہوا کہ مسجد میں نہ سما سکتے تھے، چوتھی رات آپ تشریف نہ لائے تو صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی خواہش پر آپ نے وہ ارشاد فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

---

[1]..... اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الأذان (۷۳۱) میں، کتاب الأدب (۶۱۱۳) میں اور کتاب الاعتصام بالسنۃ (۷۲۹۰) میں اور مسلم نے صلوٰۃ المسافرین (۱۸۸/۲) میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان (حدیث نمبر ۴۴۷)۔

[2]..... دیکھئے صحیح بخاری کتاب الجمعۃ (۹۲۴)، وکتاب التہجد (۱۱۲۹) بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا.

Www.IslamicBooks.Website

اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو نماز تہجد کے باجماعت مسجد میں ادا کرنے سے منع فرمایا ہے جس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرمادی کہ مجھے اس کی فرضیت کا خوف ہے، جسے ہمارے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں، ہمارا دعویٰ تو اول شب کی جماعت کے سنت ہونے کا ہے جس کے ثبوت میں ہم نے حدیث بھی نقل کی ہے جو ان صاحب کو بھی مُسلّم ہے، پس ایسے ویسے احتمالات سے اگر نسخ ثابت ہوگا تو کوئی مسئلہ شریعت کا ثابت نہ ہوگا، ایسے صاف اور صحیح جواب کو پاکر بھی ان مولوی صاحب نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے، ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی ایک ہی ہے، دو نہیں، یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی ہیں نیند سے اٹھ کر نماز کا پڑھنا۔ قاموس میں ہے:

تهجد، استيقظ. [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعن أبیھا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ **"ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة"** [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان اور غیر رمضان میں) گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ نے اول شب تراویح پڑھی تھیں اُن دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئیں اور اگر نہیں

---

[1]..... تہجد کا معنی ہے نیند سے بیدار ہوا۔

[2]..... اس کو بخاری نے کتاب التہجد (۱۱۴۷) میں اور مسلم نے صلوٰۃ المسافرین (۱۲۵) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان (۴۲۶)۔

Www.IslamicBooks.Website

پڑھی ہوگی تو فرمان الٰہی "فتهجد" [1] کی تعمیل نہ ہوئی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لئے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عام طور پر نفی کردی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی (گیارہ رکعت سے) زیادہ نہیں پڑھیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی اول شب کی نماز کو تہجد کے قائم مقام قرار دے کر پھر تہجد نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہوجانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، دیکھو جمعہ، ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں، جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ایسی ہیں جو ظہر کے لئے نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح اول رات تین روز پڑھی ہے جس سے اس فعل کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے چونکہ نسخ ثابت نہیں اس لئے تراویح کا اول شب پڑھنا بدستور ہے۔

رہا تعداد رکعت کا سوال سو اس میں اہل حدیث کا کسی سے اختلاف نہیں کیونکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں چنانچہ صحیح بخاری [2] میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، بیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ہاں آج کل مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب

---

[1]..... اس سے اشارہ سورہ اسراء کی آیت نمبر ۷۹ کی طرف ہے (ومن الليل فتهجد به نافلة لک).

[2]..... دیکھئے صحیح بخاری صلوٰۃ التراویح (۲۰۱۳)، وکتاب المناقب (۳۵۶۹) وموطأ امام مالک (۱/۷۶)۔

Www.IslamicBooks.Website

تراویح کا باجماعت انتظام ہوا تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بحکم امیر المؤمنین بیس رکعت پڑھتے تھے حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے۔ موطأ امام مالک اور قیام اللیل مروزی میں روایت ہے: **مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنه قال أمر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وتمیما الداری أن یقوما للناس باحدی عشرة رکعة.** [1] (موطأ، قیام اللیل للمروزی)۔

(امام مالک نے محمد بن یوسف سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے انھوں نے بیان کیا کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو (تراویح کا امام بنا کر) حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں۔

یہ روایت صاف بتا رہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی عدد بحال رکھا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا تھا یعنی مع وتر گیارہ رکعتیں، ہاں ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے:

عن یزید بن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة (موطأ) [2] یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ (خود بخود) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (رمضان میں) مع وتر کے تئیس (۲۳) رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل لوگوں کا بطور خود تھا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے تو جماعت کے ساتھ گیارہ رکعتیں ہی مقرر کی تھیں، بعض لوگ شوقیہ الگ الگ نفل نفل پڑھ لیا کرتے تھے چنانچہ بیس (۲۰) پر بھی قناعت نہ کرتے تھے بلکہ بعض چھتیس (۳۶) مع وتر اڑتالیس (۳۹) اور بعض مع وتر اکتالیس (۴۱) بھی پڑھ لیا کرتے تھے (قیام اللیل مروزی ص ۹۱)۔

---

[1]..... موطأ امام مالک (۱/۷۳)، قیام اللیل مروزی (ص ۹۱)۔

[2]..... دیکھئے موطأ امام مالک کتاب الصلوٰۃ فی رمضان (۱/۷۳)۔

Www.IslamicBooks.Website

یہ مزیت ان کی بطور نوافل کے تھی، نوافل پر کوئی اعتراض یا بحث نہیں، بحث صرف یہ ہے کہ تراویح سنت کتنی رکعتیں ہیں، اہل حدیث بلکہ بعض حنفیہ کا قول بھی یہی ہے کہ تراویح سنت مع وتر گیارہ رکعتیں ہیں چنانچہ شیخ ابن الھمام جو سنفیہ میں بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

فحصل من هٰذا كله أن قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر فى جماعة فعله عليه السلام. (فتح القدیر) ۱

مختصر یہ کہ سنت تراویح (باجماعت) مع وتر کے گیارہ رکعتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے ثابت ہیں۔

(یہی اہل حدیث کا مذہب ہے)۔

(۱۹) ایک دفعہ کی تین طلاقیں

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں دینے سے (جیسا کہ آج کل دستور ہے) ایک ہی طلاق ہوتی ہے یعنی عورت مطلقہ خاوند پر حرام نہیں ہوتی بلکہ اگر رجوع کرے تو کرسکتا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہے: **كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وسنتين من خلافة عمر (رضى الله عنه) طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب: ان الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم.** (صحیح مسلم) ۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

۱...... دیکھئے فتح القدیر (۱/۳۴۱، مطبوعہ مصر)۔ نیز۔ کابر علمائے حنفیہ کی آٹھ رکعت تعداد تراویح پر شہادت کے لئے دیکھئے انوار مصابیح مولفہ مولانا نذیر احمد رحمانی ص ۲۲ سے تا ص ۲۸۔

۲...... دیکھئے صحیح مسلم کتاب الطلاق (۴/۱۸۳)۔

Www.IslamicBooks.Website

بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے (ابتدائی) دو سال تک بھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (لوگوں کی حالت دیکھ کر کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیتے ہیں جو شرع میں ناپسند ہے) کہا کہ ان لوگوں نے ایک ایسے کام میں جلدی کی ہے جس میں شرع کی طرف سے اُن کے لئے ڈھیل منظور رکھی گئی تھی اگر ہم ان پر یہ حکم جاری کر دیں تو مناسب ہے پس انھوں نے ان پر جاری کر دیا (کہ جو کوئی ایک دفعہ میں تین طلاقیں دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی۔)

(صحیح مسلم)

اہلحدیث کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہدایت مہد میں لوگ تین طلاقیں اگر ایک دفعہ دے دیتے تھے تو ایک ہی گنی جاتی تھی، یہ تو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ایسے عظیم احکام اپنے پاس سے ایجاد نہ کر لیا کرتے تھے بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کرتے تھے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم بدستور رہا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک بھی یہی حکم تھا، پھر جو لوگوں نے ایک ہی دفعہ کی متعدد طلاقیں دینے کی عادت کر لی جو اگرچہ ایک ہی شمار ہوتی تھیں مگر شرع شریف میں متعدد طلاقیں ایک ہی وقت میں دینی ناپسند کی گئی تھیں اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو روکنے کیلئے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کوئی تین طلاقیں ایک ہی دفعہ دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی جس سے غرض یہ تھی کہ لوگ یہ دھمکی سن کر ایسی ناشائستہ حرکت سے باز آجائیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا تمام دنیا میں بھی سوائے پیغمبر علیہ السلام کے کسی کو منصب شریعت نہیں، چنانچہ ہم اس رسالہ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کر آئے ہیں۔[1]

---

[1]..... دیکھو مسئلہ تقلید شخصی نمبر ۱۱

Www.IslamicBooks.Website

پس اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم شرعی ہے؟ کچھ شک نہیں کہ شرعی نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ یہ حکم شریعت کا مسئلہ قرار دیا جائے بلکہ ایک سیاسی حکم ہے جو حاکمِ وقت کسی مصلحت سے یا کسی بدنظمی کے بند کرنے کو جاری کردے یا کوئی سزا بڑھادے جیسے حنفیوں کے نزدیک زانی کو جلاوطن کردینا حدزنا سے سیاسی حکم ہے، شرعی نہیں، یعنی حاکم وقت کی طرف سے بغرض دفع فساد ہے، فساد عظیم اگر نہ ہو تو اس کا کرنا بھی چنداں ضروری نہیں ہے۔ اسی حدیث کی تائید آیت قرآنی سے بھی ہوتی ہے جس میں طلاق کا ذکر ہے، ارشاد ہے (الطلاق مرتان فامساک بمعروف أوتسریح باحسان)۔[1]

یعنی طلاق رجعی دو دفعہ ہے پھر اس کے بعد یا تو خاوند بدستور روک لے یا احسان اور سلوک سے چھوڑ دے۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ دو طلاقوں کے بعد خاوند کو دو باتوں میں سے ایک کو کر لینے کا اختیار ہے یعنی وہ عورت کو روک بھی سکتا ہے اور چھوڑ بھی سکتا ہے، لیکن درصورت تین طلاقوں کو تین کہنے سے یہ اختیار نہیں رکھ سکتا، کیونکہ جب کسی شخص نے ایک ہی دفعہ أنت طالق ثلاثاً (تجھے تین طلاق) کہہ دیا اور تینوں نے اس پر واقع ہو کر عورت کو مغلظہ یعنی حرام کر دیا، ایسا وقت تو کوئی نہ نکلا جس میں خاوند کو اختیار ہو کہ اس کو رکھ سکے، کیونکہ لفظ تو ایک ہی دفعہ منہ سے نکلا ہے۔

گو یہ تقریر اس صورت پر منطبق نہ ہو جس میں أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق (تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق) الگ الگ کہے مگر چونکہ تین کے قائلین دونوں میں برابر حکم لگاتے ہیں اس لئے یہ آیت فی الجملہ ہماری تائید اور ان کی تردید کرتی ہے (تفسیر کبیر ملاحظہ ہو)۔[2]

---

[1] ..... سورہ بقرہ آیت ۲۲۹

[2] ..... دیکھئے تفسیر کبیر اردو ترجمہ مولفہ علامہ فخر الدین رازی (ص ۱۳۹)۔

Www.IslamicBooks.Website

صحیح مسلم والی حدیث سے جس کو ہم نے نقل کیا ہے ان تمام حدیثوں اور روایتوں کا جواب ہوسکتا ہے جو تین کے ثبوت کیلئے پیش کی جاتی ہیں جن سے بعض تو امامان دین اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے قول ہیں جو مرفوع حدیث نبوی کے مقابلہ پر حجت تو کیا؟ پیش کرنا بھی بے ادبی ہے اور بعض مرفوع احادیث بھی ہیں لیکن نہ تو صحت میں اس حدیث کے برابر ہیں نہ دلالت میں، یہ حدیث صحت میں پکی ہے اور اس کی دلالت عبارات النص ہے جو تمام قسم کی دلالتوں سے مقدم ہے۔

اس حدیث پر اور تو جو کچھ سوالات وارد ہوتے تھے وہ تھے ہی، لیکن فاضل بہاری مصنف الغیاث نے جو سوال کیا ہے وہ بے شک اس قابل ہے کہ سارا نقل کیا جائے وہ یہ ہے:

اس حدیث میں تو مطلقاً تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق بفم واحد یا بجلسۃ واحدۃ یا جلسات متفرق (ایک ساتھ یا ایک مجلس یا متعدد مجالس میں) دینے کو لوگ ایک شمار کرتے تھے تین برس خلافت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تو طلاق مغلظہ کی بیخ و بنیاد ہی کٹ جاتی ہے طلاق مغلظہ کوئی باقی نہیں رہتی ہے اور جب تک اس حدیث مذکورہ سے صاف لفظوں لفظ فم واحد یا جلسۃ واحدۃ یا رجعی کا بتلایا نہیں جائے گا، دلیل، دعویٰ کے ساتھ منطبق نہ ہوگی، دلیل عام ہے، دعویٰ خاص ثابت نہیں ہوسکتا، دعویٰ تو یہ ہے کہ تین طلاق بفم واحد یا بجلسۃ واحدۃ ایک رجعی ہوگی اور دلیل یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ ایک طلاق ہوتی تھی ہرگز دلیل عام سے نتیجہ خاص نہیں نکلے گا، ہاں اگر اس دلیل کو خاص کر دیجئے اور الفاظ محذوف و مقدر مان کر زبردستی نتیجہ خاص نکالنے پر کوئی آستین چڑھائے تو اس کا جواب کیا ہے، مگر اہل بصیرت کے نزدیک دلیل کافی نہ ہوگی۔ (ص ۴۶)

Www.IslamicBooks.Website

پورا مطلب اس عبارت کا تو مصنف موصوف ہی نے سمجھا ہوگا مگر جہاں تک ہماری سمجھ رہنمائی کرتی ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کون سی تین طلاقیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شمار ہوتی تھیں أنت طالق ثلا ثا والی یا أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق والی، یا تین طہروں والی جو الگ الگ دی جاتی تھیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیسری شق چھوڑ کر باقی دونوں صورتوں میں ایک ہوتی تھیں کیونکہ تیسری شق یعنی ایسی صورت میں تین طلاقیں جو الگ الگ طہروں میں دی جائیں یہ تو قرآن مجید کی صریح آیت سے سمجھ میں آتی ہیں، پھر ان کو بھی حدیث مذکور میں داخل کرنا یا داخل سمجھنا گویا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جناب میں بلکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بے ادبی ہے، کیونکہ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس حکم قرآنی کو نہیں سمجھا تھا، بلکہ تمام عمر اس کے خلاف کر کے طلاق مغلظہ کی بیخ و بنیاد ہی اٹھا دی تھی، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ توجہ نہ کرتے تو شاید طلاق مغلظہ جو قرآن شریف میں موجود تھی دنیا میں وجود پذیر ہی نہ ہوتی (چہ خوش)، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود قائل ہیں کہ لوگوں نے ایک ایسے امر میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لئے ڈھیل مدنظر رکھی گئی تھی یعنی تین طلاقیں متفرق طور پر واقع کرنے کا اُن کو حکم تھا جو ایک مجلس میں دے دیتے ہیں۔

علاوہ اس کے مصنف موصوف کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ دلیل عام سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ عام کے دو معنی ہیں ایک معقولی عام ہوتا ہے جسے کُلّی کہتے ہیں، ایک اصولی عام ہوتا ہے، معقولی عام سے تو مخصوص جزئی کا تحقق ضروری نہیں مگر اصولی عام مستلزم خاص کو ہوتا ہے۔ خاص کر حنفیوں کے مذہب میں جو عام اور خاص کو دلالت میں مساوی الاقدام (برابر) مانتے ہیں یہاں اگر عام ہے تو اصولی عام ہے

Www.IslamicBooks.Website

تو اصولی کو مستلزم ہے جیسا کہ (فاقتلوا المشرکین). [۱] زید مشرک کو بھی شامل ہے فافھم ولا تعجل [۲] اسی قسم کے اور بھی کئی ایک سوال ہیں جن کے جوابات مع مزید تحقیق اس مسئلہ کے زاد المعاد اور نیل الاوطار وغیرہ میں مل سکتے ہیں، رسالہ ھٰذا کے مناسب حال جس قدر تھا وہ ادا کیا گیا۔

(۲۰) مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ مفقود الخبر (جس کی کوئی خبر نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، زندہ ہے یا مُردہ) کی بیوی چار سال کے بعد چار ماہ دس روز عدت گذار کر نکاح ثانی کر لیوے یہی مذہب امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی حکم صادر فرمایا تھا، چنانچہ امام مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے:

امرأة المفقود تتربص أربع سنين ثم تعتد أربعة أشهر وعشراً. (موطأ امام مالک) [۳]

یعنی مفقود الخبر کی بیوی چار سال (انتظار) کے بعد چار ماہ دس روز عدت گذار کر نکاح کر لے۔

جمہور حنفیہ اس کے خلاف ہیں، پھر ان میں کوئی تو اس کی میعاد نوّے (۹۰) برس بتلاتا ہے، کوئی ایک سو بیس (۱۲۰) برس، کوئی کہتا ہے جب اس کے خاوند کے ہم عمر عموماً مر جائیں تو نکاح کرنا جائز ہے، مگر اس مسئلہ کی قوت ثبوت اور عورت مذکورہ کی

---

[۱]..... پس مشرکوں کو قتل کردو۔ (سورہ توبہ آیت ۵).

[۲]..... پس سمجھ لے اور جلدی مت کر۔

[۳]..... اس کو امام مالک نے موطأ کتاب الطلاق (۹۳/۲) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے سبل السلام (۳۱۷/۳)۔

Www.IslamicBooks.Website

قابلِ رحم حالت نے بہت سے محققین حنفیہ کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ اہلحدیث وغیرہ کے ہم صفیر (ہم نوا) اور متفق الرائے ہوں۔

صاحب ردالمحتار جو فقہاء حنفیہ میں بڑے پائے کے متبحر فقیہ ہیں باب المفقود میں صاف اقراری ہیں کہ بوقت ضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے۔[۱]

ہندوستان کے علمائے حنفیہ کے فخر مولانا عبدالحئ صاحب لکھنوی مرحوم نے تو بڑے ہی زور سے اس بات کا اظہار کیا ہے، چونکہ آپ کی ساری تقریر دلپذیر ہے اس لئے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ سے نقل کی جاتی ہے، مولانا صاحب موصوف بعد ذکر کرنے دلائل فریقین کے اور قابل رد کو رد کرنے کے فرماتے ہیں:

وبعداللتیا والتی نقول قد صرح جمع من أصحابنا کصاحب جامع الرموز وصاحب الدر المنتقی شرح المنتقی وصاحب رد المحتار وغیرهم بأنه لوأفتی حنفي فی هٰذه المسئلة بقول مالک عندالضرورة لابأس به، وعلی هٰذاعملی حیث أفتیت غیر مرة بقول مالک زعماً منی أنه قوي من حیث الدلیل ومع قطع النظر عنه تقلید مذهب الغیر جائز عندالضرورة اتفاقاً، ولست بمنفرد فی ذٰلک بل وافقه فیه جمعاً من الحنفیة، ولقد عارضنی فیه جمع من أفاضل عصری فدفعت شبهات بعضهم وسکت عن جواب بعضهم علما منی أنهم لم یصلوا الی ماوصلت فهم معذورون وفی بحار جمود التقلید والتعصب معذورون.

(عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ)[۲]

۱..... دیکھئے ردالمحتار (۶/۴۶۰۔۴۶۱).

۲..... دیکھئے عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ (۲/۳۳۹).

Www.IslamicBooks.Website

(اور بہت بحث ومباحثہ کے بعد ہم کہتے ہیں کہ) ہمارے اصحاب (حنفیوں) میں سے ایک جماعت جیسے مصنف جامع الرموز اور مصنف الدر المنتقی (شرح المنتقیٰ) اور مصنف ردالمحتار وغیرھم نے صاف لکھا ہے کہ اس مسئلہ (مفقود الخبر) میں اگر (کوئی حنفی) امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر ضرورت کے وقت فتویٰ دے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ میرا عمل بھی اسی پر ہے، میں نے کئی ایک دفعہ امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسی کی دلیل قوی ہے اور قطع نظر اس کے غیر امام کے مذہب کی تقلید ضرورت کے وقت سب کے نزدیک جائز ہے، پھر فرماتے ہیں کہ میں اس میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ حنفیوں میں سے ایک جماعت میرے ساتھ موافق ہے پھر فرمایا میرے زمانے کے بعض علماء نے اس امر میں مجھ سے کچھ تکرار کی تو میں نے بعض کے شبہات تو رفع کر دیئے اور بعض سے خاموش رہا، کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کا مبلغ علم اتنا نہیں اور یہ وہاں تک نہیں پہونچے جہاں میں پہونچا ہوں پس وہ معذور ہیں اور تقلید (جامد اور تعصب) کے بھنور میں گرفتار (ہو کر معذور ہیں)۔

اہلحدیث کے خلاف ایک حدیث اور ایک قول حضرت[1] علی رضی اللہ عنہ کا نقل کیا جاسکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہے: امرأة المفقود امرأة حتی

---

[1]..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بایں لفظ مروی ہے: "امرأة المفقود امرأة ابتليت فلتصبر حتى يأتيها يقين موته" یعنی مفقود الخبر کی عورت ایسی عورت ہے جو آزمائش میں ڈالی گئی ہے پس وہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کے خاوند کی موت کی یقینی خبر اس کے پاس آئے۔ اس کو امام شافعی نے کتاب الأم (۲۲۳/۵) میں، سعید بن منصور نے اپنی سنن (۱۷۵۲) میں اور عبدالرزاق نے کتاب المصنف (۱۲۳۳۰) میں روایت کیا ہے۔ دیکھئے سبل السلام (۳۱۸/۳)، ونصب الرایۃ (۴۷۳/۳)۔

Www.IslamicBooks.Website

یأتیها البیان. [1] یعنی مفقود الخبر کی عورت جب تک خاوند کی خبر نہ آئے اُسی کی عورت ہے۔ یعنی نکاح ثانی نہیں کرسکتی۔

مگر اس حدیث کو تمام محدثین نے ضعیف لکھا ہے (دیکھو تخریجاتِ ہدایہ زیلعی، عسقلانی [2] وغیرہ).

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا جواب یہ ہے کہ اول تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں صحابی کا قول جو قیاس کے موافق ہو حجت نہیں، خاص کر ایسی صورت میں کہ خلیفۂ دوم جیسے جلیل القدر صحابی کا فیصلہ اس کے خلاف ہو، دوم یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس قول سے رجوع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر عمل کیا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطأ)

علاوہ اس کے اصولی طور سے اس پر ایک سخت اعتراض وار دہوتا ہے جو مولانا عبدالحي صاحب مرحوم کے لفظوں میں لکھا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

ومما یرد فی هٰذا المقام علی أصحابنا أن قول الصحابی فیما لایعقل بالرأی فی حکم المرفوع فیقدم علی غیره ومن المعلوم أن فی أثر عمر وغیره یخالف القیاس فیکونان مرفوعاً حکماً فلابدأن یؤخذ به ویقدم علی الآثار الموافقة للقیاس وعلی القیاس.

(حاشیہ شرح وقایہ کتاب المفقود) [3]

ہمارے اصحاب (حنفیوں) پر اس جگہ یہ اعتراض وار دہوتا ہے کہ صحابی

---

[1] .....اس حدیث کو دار قطنی نے اپنی سنن (۳۱۲/۱) میں، بیہقی نے سنن کبریٰ (۴۴۵/۷) میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بسند ضعیف روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سبل السلام (۳۱۸/۳).

[2] .....دیکھئے نصب الرایۃ علامہ زیلعی (۴۷۳/۳)، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ (۲۹۳۱)، ضعیف الجامع الصغیر (حدیث نمبر ۱۲۵۳)، کتاب العلل (۴۳۲/۱).

[3] دیکھو عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ (۳۳۹/۲).

Www.IslamicBooks.Website

کا قول کسی ایسے امر میں جو عقل اور اجتہاد سے نہ سمجھا جائے بلکہ شریعت کی تفہیم پر موقوف ہو حکماً مرفوع ہوتا ہے یعنی اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس وہ دوسرے اقوال پر (جو ایسے نہ ہوں یعنی قیاس کے موافق ہوں یا قیاس سے سمجھے جاسکتے ہوں) مقدم کیا جاوے گا جب یہ اصول مقرر ہے تو اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول (کہ مفقود الخبر کی عورت چار سال تک انتظار کرے) قیاس کے خلاف ہے جو یقیناً مرفوع کے حکم میں ہوگا پس واجب ہے کہ اُسی پر عمل کیا جائے اور جو اقوال صحابہ کے اس بارے میں قیاس کے موافق ہیں (کہ عورت مذکورہ ہمیشہ تک اس کی بیوی ہے) ان کو بھی اور قیاس کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

ہندوستان کے فخر الحنفیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب مرحوم کا بھی یہی فتویٰ ہے جو درج ذیل ہے (یہ فتویٰ کارڈ پر ہمارے پاس بھی مہر زدہ موجود ہے)۔

''فتویٰ''

زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں علمائے حنفیہ نے بوجہ ضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور عمل کیا ہے اور بندہ بھی بناء بر ضرورت اس مذہب پر عمل کرنا جائز جانتا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم

(بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ) (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۶۰)

یہی اہلحدیث کا مذہب ہے اللہ مولانا مرحومین کو اس رحم کی جزائے خیر دے جو انہوں نے اس بے کس و مظلوم صنف النساء (صنف نازک) پر کیا۔ آئندہ بھی جو علماء اس میں شریک ہوں اُن پر بھی اللہ رحم کرے۔ یرحم اللہ عبداً قال آمینا۔ [1]

---

[1]..... اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

Www.IslamicBooks.Website

اہلحدیث کیوں اہلحدیث ہیں؟

اہلحدیث لقب چونکہ پسندیدہ ہے اس لئے ہمارے بھائی مقلدین اس لفظ کو سنتے ہی کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم ''اہلحدیث'' نہیں؟ تم اہلحدیث ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن معنی سے اہل حدیث اپنا نام اہلحدیث رکھتے ہیں اُن معنی سے مقلدین اہلحدیث نہیں ہیں، اہل حدیث اور مقلدین کے طریق عمل بالحدیث الگ الگ ہیں، اہلحدیث تو بموجب اصول مسلمہ حدیث کو دوم [1] درجہ، قرآن سے سمجھ کر اور قرآن شریف کے تلاش مسائل کے وقت پہلی نظر حدیث پر ڈالتے ہیں اگر باقاعدہ حدیث سے وہ مسئلہ انہیں مل گیا تو اس بات کی پرواہ نہیں رہتی کہ اس مسئلہ میں کسی کا کیا مذہب ہے اور کسی کا کیا خیال، زید کیا کہتا ہے اور عمرو کیا فرماتا ہے، بلکہ وہ بے کھٹکے اس پر عمل کرلیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فتووں میں مقدم قرآن اور حدیث لکھ کر کسی کا قول لکھتے ہیں تو بطور تائید کے لکھتے ہیں، نہ کہ اثبات مدعا کیلئے، ان کے دلائل میں سوائے قرآن وحدیث کے اور کچھ نہ ہوگا اور یہی طریقہ تمام سلف صالحین کا تھا مگر ہمارے بھائیوں (مقلدین) کا یہ طریق نہیں، بلکہ وہ اپنی دلیل میں

---

[1]...... مرزا صاحب قادیانی اہل حدیث کی نسبت لکھتے ہیں کہ اہلحدیث حدیث کو قرآن سے مقدم سمجھتے ہیں (دیکھو ان کا رسالہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مباحثہ پر محاکمہ)۔ یہ قول ان کا کچھ تو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے علم حدیث نہ تو کسی محدث سے پڑھا اور نہ اہلحدیث کے اصول سے واقف ہوئے کچھ اس لئے بھی کہ اہلحدیث ہی ان کی نبوت کے زیادہ مخالف ہیں اور آخر میں ان ہی کے نام پر فتح ہوئی (دیکھو رسالہ فاتح قادیان)۔

اللھم اخذل من خذل دینک و النصرنا علیہ یاخیر الناصرین۔۱۲ منہ

(اے اللہ اس کی مدد چھوڑ دے جس نے تیرے دین کی مدد نہ کی اور اس پر ہماری مدد فرما اے سب سے بہترین مددگار)۔

Www.IslamicBooks.Website

اپنے امام کا قول نقل کر کے اکثر تو اسی پر قانع ہو جاتے ہیں، اگر کسی مخالف کا خوف ہوا تو اس قول کی محض تائید کیلئے کسی حدیث کی تلاش کریں گے، ملی تو فبہا (بہتر) ورنہ اتنا ہی کافی ہے کہ ھی روایۃ عن الامام (یہی روایت امام صاحب سے ہے)۔

اور اگر کوئی حدیث امام صاحب کے مذہب کے خلاف ملی تو یہ تو ان سے ہو ہی نہ سکے گا کہ امام کے قول کو بحسن ظن سر دست چھوڑ دیں اور حدیث مصطفیٰ فداہ أبی وأمی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کریں، نہیں بلکہ سر دست حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں تاویل چھوڑ دیں گے کہ اللہ جانے یہ حدیث کیسی ہے، صحیح ہے یا غیر صحیح؟ پھر اگر صحیح ہے تو منسوخ ہے یا غیر منسوخ وغیر ذٰلک من عذرات الباردۃ (اس کے علاوہ بہت سے نامعقول عذر)

مگر اہل حدیث کو ان باتوں کا خیال تک بھی نہ آئے گا پس یہی وہ بنا ہے جس کی وجہ سے اہلحدیث اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں، مقلدین نہیں، اور غالباً یہی وجہ بالکل نمایاں ہے جس کی تسلیم میں کسی کو چون و چرا نہ ہوگی۔

میں نے ایک بڑے حنفی عالم سے جو شیخ الکل شمس العلماء حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے یہ اپنے کانوں سنا کہ ہم لوگ تو حدیث اس لئے پڑھتے ہیں کہ تم لوگ جو ہمیں تنگ کرتے ہو جواب دے سکیں ورنہ عمل کیلئے ہمیں کیا حاجت ہے، میں نے جب حیرانی سے اُن کا یہ کلام سنا تو فرمانے لگے آپ حیرانی سے سنتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم مقلد ہیں تو ہمیں اپنے امام کی تحقیق سے کسی کی تحقیق اچھی ہے؟ جو کچھ وہ تحقیق کر گئے ہیں ہمارے لئے تو وہی شاہراہ ہے پس یہی وہ فرق ہے جس پر یہ پیارا نام مبنی ہے ورنہ یوں تو کون ہے جو یہ لقب اپنے حق میں نہ چاہتا ہو۔

کل یدعی وصلا لللیلی ولیلیٰ لاتقر لھم بذاکا [1]

---

[1]..... ہر ایک لیلیٰ کے وصال کا دعویدار ہے مگر لیلیٰ کسی کے حق میں اقراری نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

Www.IslamicBooks.Website

اور اگر کوئی مقلد ایسا ہی سعید ہو کہ ہمیشہ اس بات کی فکر میں رہے کہ کوئی مسئلہ بغیر ثبوت قرآن وحدیث کے نہ مانے اور ہر مسئلہ میں اہلحدیث کی طرح مقدم قرآن وحدیث ہی سے استدلال کرے، جس مسئلہ کی گواہی یہ دو عادل (معتبر) گواہ دیں اسی کو واجب التسلیم جانے، اور جس کی بابت یہ گواہی نہ دیں اسے متروک سمجھے تو ایسے صاحب بھی اہلحدیث کے محاورہ میں اہلحدیث ہی ہیں گو ان کے نام کے ساتھ حنفی، شافعی وغیرہ ان کی طرف سے یا پچھلوں کی طرف سے ملائے گئے ہوں لیکن (وقلیل ماھم.) [1]

اس بیان سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اہلحدیث کی غرض وغایت گروہ بندی سے نہیں تھی اور نہ ہے، بلکہ ان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک محقق کو شامل ہے، جو شخص اپنی تحقیق کا مدار آزادانہ قرآن وحدیث پر رکھے وہ اہلحدیث ہے گو اس کی تحقیق کسی مسئلہ میں کسی امام یا محدث کی رائے کے خلاف بھی کیوں نہ ہو، جو لوگ اہلحدیث کہلا کر اپنی یا کسی دوسرے کی تحقیق کو کسی دائرہ میں محدود کرتے ہیں ان کی رائے صحیح نہیں بلکہ حجرتَ واسعاً [2] کی مصداق ہے فافھم (پس خوب سمجھ لے)۔

اس مسئلہ کی مفصل بحث دیکھنی ہو تو حضرت حجۃ الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں الفرق بین أھل الحدیث وأصحاب الرأی'' یا ہمارا رسالہ ''اجتہاد وتقلید'' دیکھئے، علاوہ اس کے وجہ تسمیہ میں اطراد ضروری نہیں فتفکرو ایاأولی الالباب . [3]

---

[1]..... اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں سورہ ص آیت ۲۴۔

[2]..... تو نے ایک کشادہ چیز کو تنگ کر دیا ہے۔

[3]..... پس اے دانشمندو! غور وفکر کرو۔

Www.IslamicBooks.Website

اہلحدیث کے مذہب کا بانی کون ہے؟

اہلحدیث کے مذہب کے بانی سید الأنبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ فخر آدم، افتخار بنی آدم فداہ أبي وأمي علیہ افضل الصلاۃ والسلام ہیں، چنانچہ اہلحدیث کے مسائل دیکھنے والوں پر یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ اہلحدیث ہر ایک مسئلہ پر قرآن شریف کی آیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی سے مقدم استدلال کرتے ہیں، جہلاء میں مشہور ہے کہ اہلحدیث کے مذہب کا بانی عبدالوہاب نجدی ہے مگر حاشا وکلا ہمیں اس سے کوئی نسبت نہیں، یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنے بانی مذہب کے اقوال اپنے فتووں میں نقل کیا کرتا ہے چنانچہ ہمارے بھائی حنفیہ، شافعیہ، امامیہ وغیرہم کے طریق عمل اس امر پر شاہد عدل ہیں لیکن آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ اہلحدیث نے کبھی بھولے سے بھی عبدالوہاب نجدی کے اقوال کو سند أپیش کیا ہو اور کہا ہو کہ **ھٰذا قول امامنا عبدالوھاب وبه نأخذ** (یہ قول ہمارے امام عبدالوہاب کا ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں)۔ بلکہ اہلحدیث کے بہت سے افراد کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عبدالوہاب کون تھا اس کی بود و باش کیا تھی؟ ہاں تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بھائیوں کی طرح وہ بھی ایک مقلد [1] تھا چنانچہ فقہ کی معتبر کتاب ردالمحتار باب النیات میں صاف

---

[1]...... یہاں پر اہلحدیث کو عبدالوہاب کا مقلد بتلایا گیا ہے لیکن یہ انتساب غلط ہے کیوں کہ یہاں پر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی جگہ ان کے والد کا نام ذکر کیا گیا ہے، عبدالوہاب نجدی والد شیخ الاسلام خود اپنے دور کے عالم اور مقلد تھے اور ان علماء سے متاثر تھے جو بدعات وخرافات کے قائل وعامل تھے لیکن مرنے سے قبل ان کے والد اور بھائی سلیمان نے آپ سے بحث ومباحثہ کے بعد آپ کی دعوت توحید سے مطمئن ہوکر اپنے باطل عقائد سے رجوع کرلیا۔ یہاں علامہ امرتسری رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کا ذکر عجب انداز میں کیا ہے کہ اسے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، مولانا عبدالسلام رحمانی سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند حفظہ اللہ نے یہاں

Www.IslamicBooks.Website

پر ایک توضیحی نوٹ لگایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ امت کے ایک ایسے عظیم مصلح وموحد کا ذکر اس انداز میں عجیب سا لگتا ہے نیز ان کا نام بھی غلط لکھا گیا ہے کیونکہ وہ عبدالوہاب نہیں بلکہ محمد بن عبدالوہاب تھے جنہوں نے شرک وبدعات کی شدید ترین مخالفت کی اور دین خالص کی دعوت دی یہی کام اہلحدیثوں نے بھی کیا اور اسی اشتراک عمل کی بناء پر اہلحدیثوں کو ان کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (۱۷۰۳ء۔۱۷۹۲ء) نے اصلاح وتجدید کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اور جو اس کے مبارک ثمرات واثرات ہوئے ہیں اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی وہ خالص اسلامی ذہن اور اصلاح کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، مسلمانوں کے عقائد میں جس قدر فتور پیدا ہوگیا تھا اور شرک وبدعات ان میں جس طرح سرایت کر گئے تھے ضرورت تھی ایک زبردست مصلح ومجاہد کی جو مخالفتوں اور طوفانوں کی پرواہ کئے بغیر اصلاح وتجدید کا کام انجام دے اور دین خالص سے لوگوں کو روشناس کرادے اور وہ کام اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی ذات سے لیا، انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو درست کرنے کا کام نہایت بے باکی سے اور مخالفت کی پرواہ کئے بغیر انجام دیا اور خالص توحید پر ویسے ہی زور دیا جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں دیا جاتا تھا۔

مسلکی اعتبار سے محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فروعات میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پیرو تھے لیکن کوئی حدیث صحیح امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک کے خلاف مل جاتی تو امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک ترک کردیتے اور حدیث پر عمل کو ترجیح دیتے (اس بنیاد پر یہ مقلد نہیں بلکہ متبع کتاب وسنت کہلانے کے مستحق ہیں) شیخ خود فرماتے ہیں **أما مذهبنا فمذهب الامام أحمد بن حنبل امام أهل السنة في الفروع لا ندعي الاجتهاد واذا ماحصلت لنا سنة صحيحة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عملنا ولانقدم عليها قول أحد كائنا ماكان** .ہمارا مذہب فروع کی حد تک امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ہم مجتہد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے تاہم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث ہمیں مل جائے تو ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور حدیث پر کسی کے بھی قول کو مقدم نہیں کرتے خواہ وہ کوئی بھی ہو (ھدیۃ السلف ص ۹۹)

یہ تھا ان کی تقلید کا انداز، اگر تقلید یہ انداز اختیار کرلے کہ امام کے مسلک کے برخلاف کوئی حدیث صحیح مل جائے تو اس پر قیل وقال کے بجائے حدیث ہی کو مدار عمل بنالیا جائے تو مقلدین وغیر مقلدین میں کوئی خاص نزاع ہی نہ رہ جائے (عبدالسلام رحمانی ۲۷ نومبر ۷۶ء)

Www.IslamicBooks.Website

لکھا ہے: کانو اأی عبدالوهاب و أتباعه ینتحلون مذهب الحنابلة. یعنی عبدالوہاب نجدی اور اس کے اتباع حنبلی مذہب کے مقلد تھے۔

مولانا رشید احمد صاحب حنفی گنگوہی مرحوم کے فتاوی رشیدیہ مطبوعہ مرادآباد کے صفحہ ۸ پر لکھا ہے کہ عبدالوہاب نجدی بڑا خوش اعتقاد تھا اور حنبلی مذہب کا مقلد تھا۔

اور ہمارے نزدیک تقلید کا وہی حال ہے جو ہم اس رسالہ میں لکھ آئے ہیں، پس باوجود اس بے تعلقی کے ہم کو محمد بن عبدالوہاب کے پیرو یا اس کو ہمارے مذہب کا بانی بتلانا صریح جھوٹ اور دل آزاری نہیں تو کیا ہے؟

دراصل یہ ناپسندیدہ القاب اُسی عشقِ اُحمدی کے کرشمے ہیں جس نے لقب دلایا تھا۔ آہ۔

بجرم عشق توام می کشند وغوغائیست [1]
تو نیز برسربام آ کہ خوش تماشائیست

حکومت قطر کے سابق چیف جسٹس علامہ شیخ احمد بن حجر آل بوطامی رحمہ اللہ اپنی تصنیف حیاۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب میں شیخ کے عقائد ونظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین اصل میں سلف صالحین کے مسلک پر تھے اور فروع میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر تھے اور دلیل کی موجودگی میں وہ مذہب معین کی مخالفت کرتے تھے جیسا کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔

تفصیل کیلئے دیکھئے حیات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ط دارالسلفیہ ممبئی اور محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح تالیف مولانا مسعود عالم ندوی، اور محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریے۔ تالیف مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی سابق شیخ الجامعہ فیض عام مئو۔

[1]..... تیرے عشق کے جرم میں لوگ مجھ کو گھسیٹتے ہیں اور ایک ہجوم لگا ہوا ہے تو بھی سربام آکر دیکھ لے کہ کیا اچھا منظر ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

خلاصہ مذہب اہل حدیث

اہل حدیث کے مذہب کا خلاصہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی جو تعلیم سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ قرآن اور احادیث کے مخلوق کو فرمائی ہے اس کی اتباع (موافقت کرنا) ہمارا مذہب ہے اور بس۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی [1]
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

---

[1]..... اے جامی تو عشق کا بندہ ہو جا اور حسب ونسب چھوڑ دے کیونکہ اس راہ طریقت میں حسب ونسب کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

الحمد للہ اس وقیع کتاب پر مراجعہ وتصحیح وتعلیق اور تخریج کا کام اللہ کی مدد اور اس کے حسن توفیق کے طفیل پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ والحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات وصلی اللہ علی سیدالمرسلین محمد بن عبداللہ وعلی آله وأصحابه وأزواجه المطهرات ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین.

احقر العباد
ضیاء الحسن محمد السلفی. غفرلہ ولوالدیہ

Www.IslamicBooks.Website

علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ (فاضل دیوبند)

ایک نظر میں

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ہندوستان کے جلیل القدر علماء میں سے تھے، آپ کشمیر الاصل تھے، امرتسر میں آپ کی ولادت ۱۲۸۷ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مولانا احمد اللہ صاحب امرتسری سے حاصل کی، حدیث شیخ عبدالمنان وزیر آبادی سے پڑھی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور کئی سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد کان پور تشریف لائے اور مولانا احمد حسن صاحب کان پوری سے مزید تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۱ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور وعظ وتذکیر اور مناظرہ میں لگ گئے، تصنیف وتالیف کا بھی زندگی بھر مشغلہ رہا۔ فن مناظرہ سے زیادہ شغف تھا، آریوں، قادیانیوں اور عیسائیوں سے کامیاب مناظرے کرتے تھے، بہت سے غیر مسلم ان مناظروں کے بعد آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ آپ ایک ہفتہ وار اخبار ''اہل حدیث'' نکالتے تھے اور چوالیس سال تک پابندی سے یہ اخبار نکلتا رہا، آپ مسلکاً اہل حدیث تھے، ردّ قادیانیت میں آپ کی سینکڑوں کتابیں، رسالے اور کتابچے ہیں، جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں سے ہیں اور اس تنظیم کو مضبوط ومستحکم بنانے میں آپ کا بھی ہاتھ ہے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک زمانے تک رکن رہے۔ آپ کی اردو میں قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی ہے جو ''تفسیر ثنائی'' کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے آپ سے مباہلہ کیا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں کسی وبائی بیماری میں مبتلا ہوکر مرجائے گا۔ تاریخ مباہلہ کے ایک سال بعد مرزا غلام احمد ہیضہ میں مبتلا ہوکر اس دنیا سے چل بسا۔ مولانا موصوف اس کے بعد چالیس سال حیات رہے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور گجرانوالہ میں سکونت پذیر تھے، اسی سال کی عمر میں سرگودھا میں ۴ر جمادی الاول ۱۳۶۷ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔

.....اقتباس.....

دارالعلوم دیوبند احیاء اسلام کی ایک عظیم تحریک ص: ۲۰۴

مؤلفہ: (اسیر ادروی)

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : maktabaalfaheemmau@gmail.com
www.maktabaalfaheemislamicbooks.com

PRINT ART Delhi- Ph: 23634222, Fax : 23514266

Rs.60 .00

Www.IslamicBooks.Website